سرزمین پنجاب کا سچا واقعہ

# لاڈو

# لاڈو

قمر اجنالوی

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور فون: 042-37668958
042-37652546

# کچھ لاڈو کے متعلق

لاڈو پنجاب دیس کا ایک سچا واقعہ ہے۔ جسے قیامِ پاکستان سے پہلے میں نے رنگو مہتم کی زبانی سنا۔ رنگو ماجھے کا مشہور ڈاکو تھا جس کی دہشت سے لوگ کانپتے تھے مگر سلطانے اور رابعہ کی کہانی میں اس کا کردار مثالی ہے اور اس کے کردار میں یہ تبدیلی ملک اللہ جوایا کی شفقت کا نتیجہ تھی۔

اُنہی ایّام میں اس کہانی کو کتاب کی شکل میں محفوظ کر لینے کا خیال آیا لیکن اس میں سیتلا مندر لاہور کے مہنت سنت بلدیو گری نے بھی ایک اہم رول ادا کیا تھا جسے رنگو گورو دیو کے نام سے یاد کرتا ہے۔

رنگو نے سیتلا مندر اور بلدیو گری کے اِرد گرد پرواز کرنے والے شاہد و شراب کے واقعات جس انداز میں بیان کیے، کتاب میں ان کا ذکر ناگزیر تھا لیکن تقسیم ملک سے کچھ عرصہ پہلے بلدیو گری کے رازہائے سربستہ فاش ہو گئے اور اس پر مقدّمہ چلایا گیا۔ اُن دِنوں میں لاہور میں تھا اور اپنے دوست

بہترین کتابیں۔۔۔۔۔۔
جدید انداز اور معیار کے ساتھ

ناشر: محمد علی قریشی



ایڈیشن ........ اکتوبر 2017ء
مطبع ........ نیئر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ ........ القریش گرافکس
قیمت ........ -/300روپے

رہتا تھا۔ اس کی ان خواہشات نے ایک غلط راستہ اختیار کر لیا۔

ماہرینِ نفسیات کے نزدیک بلدیو گری شدید جذباتی اور جنس پرست آدمی تھا۔ لیکن اس پنچھی کی طرح جس کے پَر کاٹ دیئے گئے ہوں۔ وہ دِل کا بُرا نہ تھا۔ صرف حالات کا شکار ہو کر رنگین محفلیں جمایا کرتا تھا۔ پھر بھی "لاڈو" کی کہانی میں اس کا تذکرہ ضروری تھا اور مَیں نے سیتلا مندر کی صرف چند جھلکیاں ہی دکھانے پہ اکتفا کیا ہے ورنہ اس دھرم استھان کے جو لرزہ خیز اور شرمناک افسانے مَیں سُن چکا ہوں انہیں صفحۂ قرطاس پر پیش کرنے کی جراٗت نہیں کر سکتا اور نہ کسی مہذب معاشرے میں اس قسم کے واقعات کی اشاعت مناسب سمجھتا ہوں۔ اگر رنگو مہنتم کی وساطت سے جو لاڈو کی کہانی کا ایک اہم کردار ہے، مہنت بلدیو گری کا ذکر لازمی نہ ہوتا تو مَیں اِن ضمنی واقعات کو بھی سپردِ قلم نہ کرتا جن سے محض سیتلا مندر کے ماحول اور بلدیو گری کے کردار کی تصویر کشی مُراد ہے۔ لہذا مَیں اپنے قارئین سے درخواست کروں گا، وہ اس کتاب میں سیتلا مندر کی حسین و رنگین کہانیاں تلاش کرنے کی بجائے اصل قصہ سے مطلب رکھیں۔

رنگو، رابعہ، سُلطانا، ملک اللہ جوایا حکیم نندلال روڑا، چودھری سکندر سیال چودھری جمال، چودھری حیات اور رنجنا کے کردار بالکل حقیقی ہیں اور لاڈو کی کہانی بالکل اسی طرح پیش آئی تھی جس طرح لکھی گئی ہے۔ اگر مَیں چاہتا تو اسے زیادہ دِلچسپ اور ڈرامائی بنانے کی خاطر من گھڑت واقعات کا اضافہ بھی کر سکتا تھا۔ افسانوی اعتبار سے یہ کتاب بے شک انتہائی دلچسپ ہو جاتی لیکن یہ حقیقت سے انحراف ہوتا اور اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ پھر حقیقت اور سچائی میں جو قوّت اور لطف نہاں ہے، وہ افسانہ طرازی میں نہیں۔ اس کے باوجود مَیں نے "لاڈو" کی کہانی کو جس اسلوب میں لِکھا ہے اس پر ایک افسانے ہی کا گمان ہو سکتا ہے اور قارئین یقیناً پسند کریں گے۔

اس کتاب میں جہاں میرے وطنِ مالوف اجنالہ اور سکّی دیس کی منظر کشی موجود ہے وہاں بار کے علاقے اور وادیٔ چناب کے لوگوں کی اس زندگی کا نقشہ بھی ہے جس کے خدوخال آج بھی ویسے ہی تیکھے ہیں جیسے قیامِ پاکستان سے پہلے تھے۔ علاوہ ازیں اس

شبلی ایم کام کے ساتھ سَید مٹھا بازار کے ایک چوبارے میں رہتا تھا۔

بلدیو گری سے اپنے ایک ہندو دوست کی معرفت سرسری ملاقات بھی ہوئی، مگر اس ملاقات کے چند ماہ بعد اس کا ستارہ زوال میں آگیا۔ سیتلا مندر کے پُر اسرار افسانے کیا فاش ہوئے لاہور کے ہندو سماج میں زلزلہ آگیا کیونکہ سیتلا مندر سناتن دھرمی ہندوؤں کا تاریخی دھرم استھان تھا اور بلدیو گری کے حلقہ مُرید و معشوق میں لاہور کے نامی گرامی ہندوؤں کی لڑکیاں شریک تھیں۔

ہندوؤں نے اپنی بدنامی کے خوف سے اِس مقدمے کو جس قدر چھپانے کی کوشش کی اسی قدر زیادہ چرچا ہُوا۔ بلدیو گری اخبارات اور عوام کا موضوع بن گیا اور پُر اسرار واقعات کے انکشافات نے لاہور میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ ان حالات میں ”لاڈو“ کی اشاعت مناسب نہ تھی۔ اگر کتاب چھپ بھی جاتی تو لاہور کا ہندو پریس شور مچا دیتا اور کتاب کی ضبطی کا مطالبہ کرتا۔ چنانچہ مَیں نے اس رومان کی اشاعت کسی مناسب وقت پر ملتوی کر دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں ایک پبلشر نے خواہش ظاہر کی مَیں ”لاڈو“ کی کہانی لکھوں اور اس میں سیتلا مندر کے ان واقعات کا اعادہ بھی کروں جو تقسیمِ ملک سے پہلے رونما ہوئے تھے۔

بلدیو گری اور سیتلا مندر لاہور کے افسانے ”طلسم ہوشربا“ سے کم رنگین اور سنگین نہ تھے لیکن مَیں نے پسند نہ کیا کہ محض ہندو قوم کے دھرم استھانوں کی بدنامی اور اس کی دھارمک سپرٹ کی رسوائی کی خاطر ان شرمناک واقعات کو قلم بند کروں جن سے اخلاق و شرافت کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ کم و بیش ہر سماج، ہر سوسائٹی اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں جو مذہب کی آڑ میں ابلیسی کردار ادا کرتے ہیں مگر بلدیو گری ان سے کسی قدر مختلف تھا۔ لڑکپن ہی میں آختہ کر کے اس کی جنسی قوت کو کُچل دیا گیا تھا اس کے باوجود جنسی خواہشات فنا نہ ہو سکیں اور سیتلا مندر کے ماحول میں جہاں حسین لڑکیوں اور عورتوں کا جمگھٹا لگا

میرے والد خدا اُنہیں تا دیر سلامت رکھے (اب وہ فوت ہو چکے ہیں) گھوڑوں پر اتھارٹی سمجھے جاتے اور اپنے علاقے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

اُنہیں شروع ہی سے گھوڑے پالنے اور ان کی سواری کا شوق تھا چوں کہ کھاتے پیتے راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر زمین کی آمدنی بھی تھی اس لیے اپنا شوق پورا کرنے میں انہیں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ان کے پاس اگر زیادہ نہیں تو ایک دو گھوڑے ہمیشہ رہے جن کی سیوا کے لیے باقاعدہ نوکر موجود تھا۔ ہماری زمینیں گاؤں سے تین چار کوس ہٹ کر واقع تھیں جہاں مزارع ایک "ڈھوک" میں رہتے تھے۔ گاؤں اور "ڈھوک" کے درمیان آمد و رفت کا واحد ذریعہ گھوڑا ہی تھا۔

گھوڑوں کے بارے میں وہ حیرت انگیز معلومات رکھتے اور مختلف نسل کے گھوڑوں کی خصوصیات یوں بیان کرتے کہ سُننے والا دنگ رہ جاتا —— وہ ان کے رنگ، قد کاٹھ، کانوں، دانتوں اور سُموں تک کی خاص علامات سے آگاہ اور ان

میں تقسیمِ ملک سے پہلے کے لاہور کی چند جھلکیاں بھی نظر آئیں گی جب مسلمان ہندو اور سکھ مل جل زندگی بسر کرتے تھے۔ درگا موٹا اور مدھوک فلمی دنیا کے نامور آدمی ہیں لیکن اس وقت ان کی شہرت کا آغاز ہی ہوا تھا۔

اس کہانی میں بعض کرداروں اور مقامات کے نام احتیاطاً بدلے گئے ہیں لیکن کہانی کے ڈھانچے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ پنجاب کا یہ معاشقہ قیامِ پاکستان سے پہلے جس طرح وقوع میں آیا تھا میں نے اسی طرح کتاب میں منتقل کر دیا ہے۔ آخر میں اپنے قارئین پر یہ انکشاف بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ رابعہ اور سلطانا نے پُرمسرت اور کامیاب زندگی گزاری ہے۔ رنگو تقسیم ملک سے پہلے ہی ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔

جب یہ کہانی "فلم لائٹ" میں بالاقساط شائع ہو رہی تھی ایک فلم ساز نے "لاڈو" فلمانے کا اعلان کر دیا۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کیا یہ وہی کہانی ہے؛ قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے۔ فلم والوں نے صرف لاڈو کا نام اڑایا اور میرے ایک کردار کا حلیہ بگاڑا ہے ورنہ میری "لاڈو" فلمی "لاڈو" سے مختلف ہے کیونکہ میں نے مصلحتاً اس کہانی کی اشاعت روک دی تھی۔ فلم والوں نے "لاڈو" کے نام سے ایک مختلف کہانی بنا کر فلمائی ہے۔ البتہ ڈاچی پکچرز لاہور کی فلم "رنگو جٹ" کی کہانی میری اجازت کے ساتھ "لاڈو" ہی سے اخذ کی گئی۔

مجھے [illegible] اس کتاب کو دلچسپی سے پڑھیں گے اور پسند کریں گے۔

قمر اجنالوی

نومبر ۱۹۶۶ء

اس مثل کے مطابق مجھے بھی بچپن ہی میں گھوڑوں کی سواری کا شوق ہوا۔ میں بمشکل آٹھ نو سال کا تھا کہ والد صاحب مجھے سواری کی تربیت دینے لگے۔ ان دنوں ہمارے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک تو سُنہرے رنگ کا سیاہی مائل کُمیت جو خاصا قد آور، اونچا لمبا اور خوب صورت تھا۔ اسے ہم "راجہ" کہتے تھے۔ دوسرا ایک پستہ قد معمولی جسم کا عام گھوڑا تھا۔ اس کی دُم کٹی ہوئی تھی۔ وہ لنڈا بوچا نظر آتا۔ اس نسبت سے اس کا نام "لنڈی" پڑ گیا۔

"لنڈی" اگرچہ "راجہ" کے سامنے بدوضع اور حقیر و کم تر معلوم ہوتا لیکن مجھ سے بہت ہِل گیا تھا۔ جوں ہی میں اس کے تھان کی طرف جاتا وہ گردن ہلاتا، زمین پر سُم مارتا ہنہناتا اور دوستی کا اظہار کرتا تھا۔ میں اس پر بے دھڑک سواری کرتا۔ اس کی ایال سے لگام کا کام لیتا اور "ڈھوک" تک دوڑائے پھرتا تھا۔ والد اس گھوڑے کو گجرات کی منڈی سے لائے تھے اور کیوں لائے تھے؛ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ "لنڈی" اس قابل ہرگز نہ تھا کہ گھوڑوں کا کوئی شوقین بالخصوص میرے والد جیسا صاحبِ ذوق اور نامور سوار اسے پسند کر سکتا۔ وہ ایک بدوضع اور پستہ قد ٹٹو تھا۔ ایک مرتبہ نارووال کا ایک زمیندار ہمارے ہاں مقیم تھا اس نے "لنڈی" پر فقرہ چُست کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی چودھری صاحب نے اپنے اصطبل میں یہ گدھا کیوں باندھ رکھا ہے؟"

مگر "یہ گدھا" میرے کام ضرور آتا تھا۔ مجھے "راجہ" پر سواری کرنے کا حوصلہ نہ تھا، نہ والد ہی اس کی اجازت دیتے کیوں کہ وہ بہت مُنہ زور اور سرکش واقع ہُوا تھا حتّٰی کہ کوئی معمولی سوار اس پر سواری نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز میں اپنے نوکر عالم کے ہمراہ "ڈھوک" سے آ رہا تھا۔ وہ "راجہ" پر سوار تھا اور میں "لنڈی" کو ٹُخاتا چلا آتا تھا کہ گاؤں سے ایک میل ادھر "رکڑی" میں پہنچ کر میرے دل میں اچانک "راجہ" کی سواری کا شوق اُبھرا مگر عالم نے مجھے مایوس کر دیا۔

"نہیں چودھری صاحب! آپ اس شیر کو نہیں سنبھال سکیں گے۔"

کی رگ رگ، نس نس کے اسرار سے واقف تھے۔ حتیٰ کہ انہیں گھوڑوں کے امراض اور علاج پر بھی عبور حاصل تھا۔ لوگ دور دراز سے علاج معالجے یا صلاح مشورے کی خاطر ان کے پاس آتے جاتے، وہ مہمانوں کی خاطر مدارات بھی کرتے اور ان کے بیمار گھوڑوں کو دیکھ کر علاج بھی کر دیتے۔ ایسا کبھی نہ ہُوا تھا کہ انہوں نے کوئی علاج کیا یا نسخہ بتایا اور وہ کارگر نہ ہُوا ہو۔ لوگ کہتے تھے۔

" چودھری صاحب زندگی کے سانس نہیں بڑھا سکتے جو قدرت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں ورنہ وہ دم توڑتے ہوئے گھوڑوں میں روحِ حیات پھونک دیتے۔"

مجھے یاد ہے ہمارے علاقہ کے تحصیل دار کی گھوڑی ایک مرتبہ بیمار ہو گئی تو انہوں نے سرکاری ہسپتال میں داخل کرا دی مگر چند ہی روز کے بعد وہ " مُہری " یعنی سیپٹک کا شکار ہو گئی اور سرکاری ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ تحصیل دار دوسرے ہی دن اسے ہماری حویلی میں لے آئے۔ والد نے خود علاج کیا اور ٹھیک پانچویں دن وہ اسی گھوڑی پر سوار خوش خوش گھر چلے گئے۔

تحصیل دار صاحب نے سُن رکھا تھا کہ چودھری صاحب علاج وغیرہ کی قیمت نہیں لیتے۔ دوسرے دِن جب وہ آئے تو مختلف تحائف سے لدے پھندے تھے۔ کہنے لگے۔ "اگر آپ نے یہ تحفے بھی قبول نہ کیے تو مَیں سخت ناراض ہو جاؤں گا۔" دراصل انہیں گھوڑی بہت عزیز تھی اور اس معجزانہ شفا پر ناقابلِ بیان خوشی ہوئی تھی ــــــ مجبوراً والد صاحب نے تحفے قبول کر لیے لیکن ان کے بدلے تحصیل دار کو کئی روز مہمان رکھا۔ پھر تو وہ آپس میں گہرے دوست بھی بن گئے۔

ہماری حویلی میں آئے دن مہمانوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ بڑے بڑے زمیندار، ملک، چودھری، بے فکرے رئیس اور گھوڑوں کے شوقین میرے باپ کے دوست بھی تھے اور نیاز مند بھی۔

وہ مثل آپ نے سُنی ہو گی ؎

" ماں پرُوت، پِتا پر گھوڑا　　　بہت نہیں پر تھوڑا تھوڑا"

طریق علاج تھا مگر افسوس کارگر نہ ہو سکا۔ کل تک وہ دوسروں کے نیم مُردہ گھوڑوں میں دمِ حیات پھونک دیتے تھے آج اپنے گھوڑے کو اچھا نہ کر سکے۔ راجہ روز بروز لاغر ہوتا جا رہا تھا —— حادثہ کے ۲۸ دن کے بعد وہ مر گیا اور جب چوہڑے حویلی سے اس کی لاش اٹھا کر باہر نکلے تو میں بے اختیار رونے لگا۔ مجھے قلق اس بات کا تھا راجہ کی جان میری وجہ سے ضائع ہوئی۔ یہ صدمہ آج تک میری رُوح پر لرزتا رہتا ہے۔ والد مجھے چُپ کرانے اور تسلی دینے لگے مگر وہ خود مجھے بُجھے بُجھے سے نظر آ رہے تھے اور عالم کا تو یہ عالم تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز بچھڑ گیا ہو۔

پندرہ بیس روز کے بعد نئے گھوڑے کی تلاش شروع ہو گئی مگر کوئی اچھا گھوڑا نہ مل سکا۔ لنڈی اگرچہ موجود تھا لیکن اب میں اس پر بھی سواری نہ کرتا تھا۔ راجہ کی یاد بھولتی ہی نہ تھی۔

مجھے وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا مارچ کی پہلی تاریخ نقش کالحجر کی طرح میرے حافظے پر لکھی ہوئی ہے کیوں کہ یہ میری تاریخ پیدائش بھی ہے۔ میں لڑکوں کے ہمراہ روڑو پر کھیل رہا تھا کہ ایک سِکھ سفید براق گھوڑے پر سوار ہماری حویلی کے دروازے پر رُکا۔ پھر عالم اسے حویلی کے اندر لے گیا۔ اس کا گھوڑا اس قدر خوب صورت تھا کہ میں کھیل چھوڑ کر حویلی کی طرف لپکا۔

یہاں آ کر معلوم ہُوا وہ گھوڑا نہیں گھوڑی ہے اور اس کے مالک کا نام رنگو مہتم ہے۔

رنگو مہتم کا نام سُن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ وہ ایک مشہور سزا یافتہ ڈاکو تھا جس کی چوری اور ڈکیتی کی کئی لرزہ خیز کہانیاں اس علاقے میں عام تھیں۔

رنگو سِکھوں کی اس برادری سے تعلق رکھتا تھا جو مہتم کہلاتی ہے۔ مشرقی پنجاب (بھارت) کے ضلع امرت سر کے دیہات میں مہتموں کی خاصی تعداد آباد ہے۔ یہ لوگ بلا کے جفاکش اور محنتی ہونے کے باوجود جرائم پیشہ اور چوری ڈکیتی میں بدنامی کی حد تک مشہور ہیں۔ دن کے وقت عورتیں، مرد اور لڑکے بالے اپنے

جب مَیں اَڑ گیا کہ خواہ کچھ ہو جائے آج " راجہ" کی سواری ضرور کروں گا تو عالم نے اس شرط پر گھوڑا میرے حوالے کر دیا کہ دوڑاؤں گا نہیں۔ مجھے اپنی جان تو بہر حال عزیز تھی۔ اسے پاؤ قدمے لے کر گاؤں میں آ پہنچا لیکن " راجہ" نے نہ تو کوئی سرکشی کی نہ وہ گستاخی سے پیش آیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ میرے دِل سے ڈر اور خوف جاتا رہا۔ اب میں " لنڈی" کو چھوڑ کر سرخ کمیت " راجہ " پر سواری کرنے لگا۔ آپ یہ سُن کر ضرور حیران ہوں گے۔ وہ سرکش اور منہ زور گھوڑا جو کئی آدمیوں کو گرا چکا تھا میرے حق میں " لنڈی " سے زیادہ اصیل ثابت ہُوا۔ گاؤں اور ڈھوک کے درمیان مَیں اسے سرپٹ لیے پھرتا لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے۔ منہ میں انگلیاں داب لیتے اور چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

" یہ آٹھ نو سال کا بچّہ اور اتنا منہ زور گھوڑا ـــــ اللہ رکھے! اگر کسی روز گر پڑا تو ہڈیاں چُور ہو جائیں گی۔"

دوسرے ہی مہینے زبانِ خلق ـــــ " نقارۂ خدا " ثابت ہوئی اور میں بڑی مشکل سے بچا۔ ہُوا یہ کہ شام سے تھوڑی دیر پہلے میں " ڈھوک " سے گاؤں کی طرف آ رہا تھا اور " راجہ " حسبِ دستور ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ جھنگی نالہ پر اس نے ٹھوکر کھائی اور سر کے بَل زمین پر آیا۔ مَیں فٹ بال کی طرح اُچھلا اور سرکنڈوں کے پودوں پر لڑھکتا چلا گیا۔ خراشیں تو بہت آئیں لیکن نہ کوئی ہڈی ٹوٹی نہ کوئی زخم آیا۔ اگر سرکنڈوں کی بجائے زمین پر گرا ہوتا تو ہڈیاں واقعی سُرمہ بن گئی ہوتیں۔ البتہ " راجہ " کی اگلی دونوں ٹانگیں بُری طرح مضروب ہوئیں۔ وہ لنگڑا کر چلنے لگا۔ مَیں اسے بڑی مشکلوں سے حویلی میں لایا۔

والد نے جب حادثے کی خبر سُنی تو اسی وقت میرا صدقہ اتارا ـــــ (مَیں ان کا اکلوتا لڑکا ہوں) پھر گھوڑے کی طرف متوجہ ہوئے۔ تھوڑی دیر تک انہوں نے " راجہ" کی ٹانگوں پر عالم سے مالش کرائی پھر ایک لیپ باندھ دیا مگر کوئی فائدہ نہ ہُوا۔ چھٹے روز منہ اندھیرے والد اُسے " رکڑی تلاؤ " پر لے آئے اور تلاؤ کے سرد پانی میں جو سردیوں کے موسم میں برف ہو رہا تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کھڑا رکھا۔ یہ بھی ایک

ڈورے تھے جیسے وہ ابھی ابھی چرس یا سلفا پی کر آیا ہو۔ بھنویں گھنی اور آنکھوں پر چھائی ہوئی۔ ناک موٹی اور بھدّی۔ کلّے بھاری۔ مونچھیں چڑھی ہوئیں۔ داڑھی مونج کی رسّی کی طرح بٹی ہوئی اور کیسوں کا جُوڑا اُونٹ کے کوہان کی مانند نیلی پگڑی کے درمیان اُبھرا ہُوا تھا۔ اس کا رنگ گندمی اور آواز نہ صرف بھاری بلکہ شیر کی طرح گرجدار تھی۔ جب وہ بولتا تو یوں معلوم ہوتا تھا کوئی درندہ غرّا رہا ہے۔

یہ تھا رنگو مہتم ـــــ ماجھے کا مشہور ڈاکو۔ ایک چھریرے بدن کا آدمی

میری طرح میرے والد کو بھی اس کی نُقرہ گھوڑی بہت پسند آئی تھی اور وہ رنگو سے اسی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ رنگو نے بتایا۔ وہ اس گھوڑی کو لائل پور (اب شہر کا نام فیصل آباد ہے) سے لایا ہے۔

"بہت خوب صورت اور پیاری گھوڑی ہے۔ دیکھ کر بھوک اُترتی ہے۔ اس کے سُم بھاری ہیں گویا بہت تیز رفتار ہے ـــــ"

"کیا بتاؤں چودھری صاحب! ہَوا سے باتیں کرتی ہے۔"

"کتنے میں لائے ہو؟"

یک لخت رنگو خاموش ہو گیا۔ والد کہنے لگے۔

"یہ ہزاروں کے مول بھی سستی ہے۔ پھر بھی تم نے کیا دیا؟"

"یہ گھوڑی انمول ہے چودھری جی! مَیں نے اسے قیمت دے کر حاصل نہیں کیا۔"

"پھر....."

"مَیں نے اس کے لیے جان کی بازی لگا دی تھی۔"

"سمجھ گیا ـــــ یہ تمہاری "کمائی کا مال" ہے۔"

جرائم پیشہ لوگ چوری ڈکیتی کے مال کو "کمائی کا مال" کہتے ہیں۔ ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد رنگو مہتم نے جواب دیا۔

"چودھری جی! آپ سے کیا چھپاؤں، بڑا دلچسپ قصّہ ہے۔"

ڈیروں پر مونج کوٹتے، بان بٹتے، ٹوکرے بناتے یا ایسی ہی کسی محنت مشقت میں مصروف نظر آئیں گے لیکن رات کے اندھیرے میں اگر ان کے دروازوں پہ دستک دی جائے تو ۳۳ فی صد مرد گھروں سے غائب ہوں گے جو سورج طلوع ہونے سے پہلے منہ اندھیرے چہروں پہ "مڑاسے" باندھے بغچیاں اٹھائے بلّی کی طرح دبے پاؤں گھروں میں لوٹ آتے تھے۔

وہ سیندھ لگانے میں اُستاد اور دیواریں پھلانگنے میں بازی گروں کی مانند ماہر تھے۔ دیوالی اور ہولی کے تہواروں پہ جی بھر کے جُوا کھیلتے دیسی شراب پانی کی طرح پیتے اور خودکشید کرتے، یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ مہتم گھرانے کا ایک آدمی جیل میں یا جیل کاٹ چکا ہوتا۔

آج بھی ان لوگوں کی یہی حالت ہے بلکہ آزادی کے بعد ان کے جرائم کی رفتار بھی دوگنی ہو چکی ہے۔

ہاں تو میں رنگو مہتم کا ذکر کر رہا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اگر آپ کبھی تفریحاً بھی اس علاقے میں گئے ہوتے جو سبز ناگن سکّی کے اس طرف آباد ہے تو آپ نے رنگو مہتم کا نام —— صرف نام ہی نہیں اس کی ڈکیتی کا کوئی لرزہ خیز واقعہ بھی ضرور سُنا ہوتا اور آپ جان لیتے رنگو اس بلائے آسمانی کا نام ہے جو موت کی مانند اچانک اور ناگہاں نازل ہوتی ہے۔

میری عمر کا دسواں سال شروع ہو رہا تھا۔ اس عمر کے لڑکوں کی طرح میں بھی رنگو مہتم کے نام سے خوف زدہ تھا۔ میرے بدن میں ایک عجیب سی سنسناہٹ تیر گئی تھی۔ اگرچہ اس کی سفید براق گھوڑی کی کشش ہی مجھے حویلی میں کھینچ لائی تھی لیکن اب رنگو میری دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا۔ میں اسے حیرت پاش نگاہوں سے دیکھتا رہا جو والد صاحب کے ساتھ بڑے نرم اور شیریں لہجے میں گفت گو کر رہا تھا جیسے کوئی مرید اپنے پیر سے ہم کلام ہو۔ حالانکہ اس کی آواز پاٹ دار اور بھاری تھی۔

اس کا حلیہ آج تک میرے ذہن میں موجود ہے بلکہ رنگو مہتم اسی طرح جُوں کا توں میرے ذہن میں چوکڑی مارے بیٹھا ہے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سُرخ

"ملک صاحب ! تین ہزار لے لو اور گھوڑی دے دو۔"
ملک نے ایک قہقہہ لگایا۔
"قسم رسول پاکؐ کی ۔ اگر میں اس گھوڑی کو بیچوں تو اپنی اولاد کا خون بیچوں"۔
اتنی بڑی قسم کے بعد میں بالکل مایوس ہو گیا لیکن میں بھی رنگو تھا اپنی ضد کا پکا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں کون ہوں اور جب کسی چیز کی خواہش کرتا ہوں اسے کس طرح حاصل کر لیتا ہوں ۔ ملک اور اس کے آدمیوں نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر وہ کہنے لگا ۔
"رنگو ——— ! تم نے کوئی اور چیز مانگی ہوتی تو قسم رسول پاکؐ کی بے مول دے دیتا لیکن لاڈو نہیں دوں گا۔"
گھوڑی کا نام اس نے لاڈو رکھا تھا ۔ گھوڑی کے ساتھ اس کا نام بھی مجھے بے حد پسند آیا ۔ میں نے کہا ۔
"ملک جی ! گھوڑی تو میں لے جاؤں گا ۔ اگر تم قیمت لے لیتے تو اچھا تھا۔"
یہ ایک چیلنج تھا ۔ ملک اور اس کے آدمیوں نے غصّہ بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا ۔ ملک کہنے لگا ۔
"رنگو ! یہ ملچھے کا علاقہ نہیں ۔ تم غلط فہمی میں مبتلا ہو ۔ اگر تم گھوڑی لے جا سکتے ہو تو لے جانا لیکن اتنا نہ درسُن لو جوں ہی تم گھوڑی کی طرف بڑھے کئی برچھے تم پہ لپکیں گے ۔ لاڈو کو بھول جاؤ۔"
اس نے میرے لیے دودھ اور کھانا منگوایا مگر مجھے تو صرف ایک چیز کی طلب تھی اور اس کا نام تھا لاڈو ۔ میں نے نہ کھانا کھایا نہ دودھ پیا اور اُٹھ کر چل دیا ۔ ملک نے مجھے آواز دی پھر خود ہی میرے قریب آ گیا ۔ احاطے کی کچی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اپنا بازو میرے کندھے پر رکھ دیا اور ایک طرف اشارہ کر کے بولا ۔
"رنگو ! وہ سامنے تین گھوڑیاں بندھی ہیں ۔ دو گھوڑے بھی ہیں ۔ جاؤ ان میں سے جو پسند آئے کھول کر لے جاؤ ۔ رسول پاکؐ کی قسم ! اگر اُف بھی کر جاؤں تو سمجھنا

بھئی سنا ڈالو۔"

والد تو گھوڑوں کے عاشق تھے۔ ان سے متعلّقہ قصّوں کو بھی شوق سے سُنتے
رنگو نے دُودھ کا گلاس پی کر چوکی پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"ساتھ آٹھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ مَیں ایک کام کے سلسلے میں لائل پور
چلا گیا ــــــ گھنٹہ گھر کے چوک میں ایک ملک سفید لباس پہنے اس گھوڑی پر
سوار چلا آ رہا تھا۔ مَیں نے گھوڑی دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ آپ کی طرح مجھے بھی
جانور کا بہت شوق ہے۔ مَیں نے آگے بڑھ کر ملک سے "صاحب سلامت"
کی اور گھوڑی دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ ملک نیچے اُتر آیا اور لگام میرے ہاتھ میں
دے دی۔ مَیں نے گھوڑی کو قریب سے دیکھا تو طبیعت بے چین ہو گئی اور
دِل کہنے لگا۔

"رنگو ــــــ! یہ گھوڑی تیرے نیچے ہونی چاہیے"۔

مَیں نے ملک سے پوچھا۔ کیا وہ اسے فروخت کر سکتا ہے۔ مَیں مُنہ مانگی
قیمت دینے کو تیار ہوں مگر ملک میری طرف یوں دیکھنے لگا جیسے مَیں نے بھرے
بازار میں اُسے گالی دے دی ہو۔ اس نے جواب دیا۔

"ٹوانہ نے مجھے دو ہزار روپے دے کر گھوڑی خریدنا چاہی تھی لیکن مَیں
نے انکار کر دیا تھا۔ اسے مَیں نے خود پالا ہے۔ مجھے اولاد کی طرح عزیز ہے اور
اپنی اولاد کو کون بیچتا ہے"۔

ملک نے ایسی بات کہہ دی کہ مَیں لاجواب ہو گیا۔ باتوں باتوں میں اتا
پتا لیا۔ سرشمیر کے پاس ہی اس کی زمین تھی۔ یہ لائل پور سے بارہ چودہ میل پر
ایک مشہور گاؤں ہے۔ ملک تو پتا دے کر آگے بڑھ گیا اور مَیں کھڑا سوچنے
لگا۔ گھوڑی کو کس طرح حاصل کروں؛

تیسرے روز مَیں سرشمیر جا پہنچا اور ملک کے ڈیرے پر گیا۔ اس نے
میری خوب آؤ بھگت کی۔ مَیں نے صاف بات کہہ دی۔

مَیں نے واگورد کا نام لیا۔ آہستہ سے دیوار پھاند کر احاطے میں داخل ہوا۔ کاموں کی نظروں سے بچتا ہُوا سیدھا گھاس اور پرالی کے ڈھیر کی طرف آیا اور چوہے کی طرح اس ڈھیر کے اندر گھُس کر دُبک گیا۔

لاڈو کی خاطر مَیں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ پرالی کا ڈھیر میرا مورچہ بن گیا اور یہ مورچہ اتنا خطرناک تھا کہ اگر مَیں ذرا سا ہلتا اور گھاس یا پرالی کے تنکے تھرتھراتے تو میرا پکڑا جانا کچھ مشکل نہ تھا لیکن مَیں مُردے کی طرح دم سادھے ڈھیر کے اندر لیٹا رہا۔ سانس لینے کے لیے مَیں نے ایک طرف سے تھوڑی سی درز بنا لی تھی۔ مَیں گھوڑی کی کھُرلی سے اتنا قریب تھا کہ میرا ہاتھ اس کِلی تک پہنچ سکتا تھا جس کے ساتھ لاڈو بندھی ہوئی تھی۔

کوئی آدھ گھنٹے کے اندر دوسرے لوگ بھی احاطے میں پہنچ گئے اور بستروں پر بیٹھ کر حقّہ پینے لگے پھر ملک بھی آگیا۔ مَیں نے ڈھیر کے اندر اس کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

'غلام رسول ——— ! کیا لاڈو کو چارا ڈال دیا ؟'

'ڈال دیا ملک صاحب !'

پھر غلام رسول مزید اطمینان کی خاطر کھُرلی کی طرف آیا۔ میرے بدن میں سنسنی سی پیدا ہوئی۔ مَیں نے سانس تک روک لیا۔ غلام رسول نے کھُرلی دیکھی۔ گھوڑی کے گلے میں بندھا ہُوا رسّا دیکھا اور لوٹ گیا۔ ان کی چارپائیاں مجھ سے صرف بیس پچیس قدم کے فاصلے پر تھیں۔ وہ دیر تک بیٹھے میرے ہی متعلق باتیں کرتے رہے۔ پھر ملک نے ایک گالی دیتے ہوئے کہا۔

'یہ مہتم لوگ بڑے چوہڑے ہوتے ہیں۔ ذرا ہوشیار رہنا وہ گھوڑی کھولنے ضرور آئے گا۔'

دو آدمی بولے۔

'ہم نے بھی چھویاں تیار کر لی ہیں، رنگو آیا تو بچ کر نہ جا سکے گا۔'

'وہ ماچھے کا مشہور ڈاکو ہے۔ آج رات پہرہ رکھو۔ کم از کم دو آدمی جاگتے رہیں۔' پھر ملک نے غلام رسول اور ایک کلمے عبدل کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ جاگتے رہیں۔

مجھے کسی کُتّی نے جنا ہے "۔

مَیں نے وہ گھوڑیاں اور گھوڑے آتے ہی دیکھ لیے تھے وہ بھی کچھ کم نہ تھے۔ مگر لاڈو کی بات ہی اور تھی۔

" نہیں ملک جی! مجھے صرف لاڈو چاہیئے اور مَیں اب بھی کہتا ہوں اسے لے جاؤں گا ـــــ"

" اگر تم اسے لے گئے تو مَیں تمہیں ایک ہزار روپیہ انعام بھی دوں گا "

ملک مجھ سے ناراض ہو گیا تھا۔ وہ غصہ میں لوٹ گیا۔ مَیں نے احاطے کا جائزہ لیا۔ جہاں گھوڑے، گھوڑیاں اور ڈھور ڈنگر تھانوں پر بندھے تھے۔ کوئی دو بگھے زمین کے گرد چار پانچ فٹ اُونچی دیوار کھڑی تھی۔ پرلی طرف مزارعوں کے پندرہ بیس گھر تھے۔ میرے اندازے کے مطابق اس ڈیرے پر چالیس پچاس مرد ضرور ہوں گے اور ان میں سے بعض کے چہرے مَیں نے دیکھ بھی لیے تھے۔ میری باتیں سن کر ان کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوند گئی تھیں۔ مَیں سمجھ گیا تھا ملک انہی رکھوالوں کے سہارے اکڑتا اور برچھوں کی دھمکیاں دیتا ہے۔

شام کا اندھیرا اتر آیا تھا۔ احاطے کے اندر چند کامے مویشیوں کو چارہ ڈال رہے تھے۔ اچانک مَیں ایک چیز کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ لاڈو کی چوبی کھُرلی کے پاس جو سب سے الگ تھلگ تھی گھاس اور پرالی کا ڈھیر لگا ہُوا تھا۔ مَیں ایک سمت ہو لیا' اور کھیتوں کے درمیان گزرتا چلا گیا۔ ملک کا ایک آدمی تھوڑی دُور تک میرے ساتھ آیا پھر وہ بھی لَوٹ گیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے مَیں بھی پلٹا لیکن اتنا فاصلہ ضرور رکھا کہ وہ مجھے دیکھ نہ سکتا تھا۔

شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا اور ابھی ڈیرے والوں کو روٹی ٹکر کھانا تھا۔ جب مَیں نے احاطے کی مغربی دیوار سے سر اُبھار کر دیکھا تو صرف دو کامے احاطے میں چارپائیاں بچھا رہے تھے۔ گویا وہ لوگ احاطے ہی میں سوتے تھے۔ کل بارہ چارپائیاں بچھائی گئیں۔ یہ صورتِ حال یقیناً خطرناک تھی۔

# سلطانا

رنگو مہتم نے اپنی کہانی جاری رکھی :

"آسمان پر آخری راتوں کا چاند چمک رہا تھا اور بیساکھ کی نیند آور ہوا شرابی کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی ۔

عبدل اور غلام رسول جاگ رہے تھے اور ہر آن یہ خطرہ تھا اگر انہوں نے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز بھی سن لی تو شکاری کتوں کی طرح چوکنے ہو جائیں گے ۔ میں پرالی کے ڈھیر میں دبکا لوہے کی کلّی اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا مگر اسی لمحے گھوڑی پھر ہنہنائی اور اس مرتبہ غلام رسول لپکتا ہوا کھُرلی پر آیا ۔

میرا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا ۔ اوّل تو وہاں کھُرلی کا سایہ تھا دوسرے گھاس اور پرالی بکھری تھی اور اس کے اندر میرا ہاتھ نظر نہ آتا تھا ۔ پھر بھی میرے جسم میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی ۔ اگر میں ہاتھ کو پرالی کے ڈھیر کے اندر کھینچنے کی کوشش کرتا تو ہو سکتا تھا غلام رسول کی نظر پڑ جاتی اس لیے میں نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا ۔

اور اگر خطرہ محسوس کریں تو دوسروں کو جگا دیں ۔ تھوڑی دیر کے بعد چاند بھی نکل آیا اور مَیں نے اس کی روشنی میں احاطے کا جائزہ لیا۔ غلام رسول اور عبدل دونوں ایک ہی چارپائی پر بیٹھے حقّہ گُڑگُڑا رہے تھے باقی آدمی سو گئے ۔ مَیں ان کے خراٹوں کی آوازیں بھی سُن رہا تھا۔ سب سے خوف ناک خراٹے ملک کے تھے ۔جس کا پلنگ ان سب سے الگ اور میرے قریب تھا ۔رات کچھوے کی رفتار سے رینگ رہی تھی ۔ مجھے بس ان کے سونے ہی کا انتظار تھا ۔ اگرچہ غلام رسول اور عبدل کا حقہ بھی خاموش ہو چکا تھا لیکن وہ دونوں جاگ رہے تھے ۔ ان کی پروا کیے بغیر مَیں اپنا کام کرنے پر تیار ہو گیا ۔

گھاس اور پرالی کے ڈھیر میں سے مَیں نے اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ اس "کلّی کی طرف بڑھایا جس سے گھوڑی کا رسّا بندھا ہُوا تھا مگر پرالی کی سرسراہٹ کی آواز سُن کر گھوڑی ہنہنائی اور مَیں اپنا ہاتھ بڑی سُرعت سے پھر واپس لے گیا ۔ ہنہناہٹ کی آواز سُن کر غلام رسول نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا " عبدل ! ذرا جا کے دیکھ لے کہیں لاڈو کے پچھے تو ختم نہیں ہو گئے "

پھر عبدل چھوٹی پکڑے کھُرلی پر آیا اور وہیں کھڑا کھڑا بولا ——— "پچھے تو ہیں ، سالی یونہی ہنہنا رہی ہے "

اس نے ڈھیر پر سے کچھ گھاس اُٹھائی اور لاڈو کی کھُرلی میں ڈال کر لوٹ گیا۔ مَیں دم سادھے بدستور ڈھیر کے اندر لیٹا رہا ۔ آدھ گھنٹہ اور گزر گیا ۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہو رہا تھا ۔ مَیں نے پھر کوشش کی اور اپنا ہاتھ ہولے ہولے کھُرلی کی طرف بڑھایا ۔ کلّی میرے ہاتھ میں آ گئی ۔ مَیں اسے اُکھاڑنے لگا ۔

ہاتھ کو پھاڑتی ہوئی زمین میں کھُبتی چلی گئی۔ میرا ہاتھ کلّی میں پرو دیا جا چکا تھا لیکن میں اپنے ہونٹ دانتوں میں لیے بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ میرے ہونٹوں پر ایک آہ یا کراہ بھی نہ آ سکی۔

غلام رسول نہیں جانتا تھا۔ اس نے کلّی کہاں ٹھونکی ہے۔ اپنا کام مکمّل کر کے وہ اُٹھا اور چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے لاڈو کی پُشت تھپتھپائی اور وہ خاموش ہو گئی اچانک میں نے اپنے ہاتھ کے اِردگرد گرم گرم نمی محسوس کی۔ یہ اس خون کی دھار تھی جو میرے ہاتھ سے نکل کر زمین میں جذب ہو رہا تھا۔ خون کی ننھی ننھی دھاریں میری ہتھیلی سے پھوٹ کر کلائی کی طرف بہہ رہی تھیں حتیٰ کہ وہ میری کہنی تک آ پہنچیں۔ کہنی تک ساری کلائی گرم گرم گاڑھے خون سے تر ہو گئی۔ درد کی شدّت سے میرا سارا بدن سکڑتا جا رہا تھا اور بایاں بازو شانے تک "سُن" ہو گیا تھا۔ بایاں بازو کھُلی سے قریب تھا اس لیے کلّی اُکھاڑنے کے لیے میں نے وہی ہاتھ استعمال کیا تھا جسے غلام رسول اپنی بھرپور ضربوں سے لوہے کی کلّی میں پرو کر جا چکا تھا۔ میں گھاس اور پرالی کے اُونچے ڈھیر کے اندر لیٹا درد و کرب سے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ خون اس کثرت سے بہہ نکلا تھا کہ بائیں بازو کے ساتھ مجھے پورے جسم کے اکڑ جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے سوچا "زنگو ——— اگر تو بیہوش ہو گیا تو بات بگڑ جائے گی۔ سالے! ہمّت رکھ، اس قسم کے زخم تیرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تُو نے اپنے جسم پر چھوّیوں کے زخم کھائے ہیں پھر ہاتھ کے اس معمولی زخم پر دِل کیوں چھوڑ رہا ہے"

اچانک میں نے اپنے جسم میں ایک نئی حرارت محسوس کی۔ یہ میرے عزم و ارادہ کی لہر تھی۔ جس نے اس روز میری زندگی بچائی ورنہ میں تو گھاس کے ڈھیر کے اندر بے ہوش ہو گیا ہوتا۔ واہگورو کی قسم! میرے جسم سے کم و بیش ایک پیالہ خون بہہ چکا تھا۔ میں نے دِل ہی دِل میں کہا۔

"لاڈو کے لیے اگر میرا بازو بھی کٹ جائے تو پروا نہیں"

لوہے کی کلّی جو میرے ہاتھ کے آر پار ہو چکی تھی کسی میخ کی طرح ہتھیلی میں گڑی ہوئی تھی۔ آدھ گھنٹہ نیم بے ہوشی کی حالت میں گزر گیا۔ خون ابھی تک بند نہ ہوا تھا۔ چاند کی دودھیائی روشنی میں احاطے کی ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ ملک کروٹ بدل کر پھر سو گیا اور

گھوڑی زور سے ہنہنائی تھی - اس کی آواز سُن کر ملک نے چارپائی پر کروٹ لی اور لیٹے لیٹے بولا -

" غلام رسول ! لاڈو کیوں ہنہنائی ہے ؟"

" کوئی بات نہیں ملک جی ! "

غلام رسول کھُرلی کے پاس پہنچ چکا تھا اور اب گھوڑی کے گلے کا رسّا جس کا ایک سرا لوہے کی کِلّی سے بندھا ہُوا تھا اس کے ہاتھ میں تھا - وہ بولا -

" لاڈو نے کِلّی اُکھاڑ لی ہے ' مَیں اسے پھر ٹھونک رہا ہوں "

" اچھا ـــــــ ؟ " ملک نے تعجّب کا اظہار کیا - " ذرا اچھی طرح ٹھونکنا کہیں پھر نہ اُکھاڑ لے "

" میری ٹھونکی ہوئی کِلّی اس کا باپ بھی نہیں اُکھاڑ سکے گا "

یہ کہہ کر غلام رسول نے ایک اینٹ اٹھائی اور کھُرلی کے قریب بیٹھ کر کِلّی ٹھونکنے لگا - میرے اور اس کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ تھا - اگر مَیں نے سانس روک نہ رکھا ہوتا تو یقیناً رات کے سناٹے میں وہ میرے سانس کی آواز سُن لیتا -

اس نے بازو لہرا کر اینٹ پُوری قوت کے ساتھ کِلّی پر دے ماری اور میرے جسم پر ایک ساتھ بیسیوں بچھوؤں نے ڈنگ چلا دیئے ـــــــ آپ کو کیا بتاؤں غلام رسول کِلّی کہاں ٹھونک رہا تھا ـــــــ "

دنگو مہتم ایک لمحے کے لیے رُکا پھر گہرا سانس لے کر کہنے لگا -

" میرا ہاتھ کھُرلی کے پاس ہی پڑا رہ گیا تھا جسے گھاس اور پرالی نے ڈھانپ رکھا تھا غلام رسول نے کِلّی ٹھونکنے کے لیے اس کی نوک زمین پر نہیں بلکہ میری ہتھیلی پر رکھ دی تھی جب اس نے پہلی ضرب لگائی تو اس کی نوک گوشت کو پھاڑتی ہوئی میرے ہاتھ میں کھُب گئی اور مَیں درد کی شدّت سے دوہرا ہو گیا لیکن ذرا سی حرکت بھی میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی - اس لیے مَیں انتہائی ضبط اور صبر سے کام لے کر خاموش ہو رہا -

غلام رسول کِلّی ٹھونکتا رہا - اس کی ہر ضرب جان لیوا تھی - لوہے کی نوک میرے

اس کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ کر دیا اور بلند آواز سے گرج کر بولا۔

"ملک ! اُٹھ کر دیکھ لو میں گھوڑی لیے جا رہا ہوں۔"

اسی اثنا میں عبدل کی ہوک گونجی۔ اس کی چھوّی بلند ہوئی اور چاندنی میں مچھلی کی طرح تیرتی ہوئی میری طرف آئی لیکن میں عبدل کی چھوّی کا زخم کھانے تو نہیں آیا تھا۔ وہ ایک طرف ڈھیر ہو گیا۔ غلام رسول ہڑبڑا کر اُٹھا اور اس نے بھی اندھا دھند اپنی چھوّی مجھ پر دے ماری لیکن میں لاڈو کو ایڑ لگا چکا تھا۔ وہ اچھل کر بھاگی اور ایک ہی جست میں پانچ فٹ کی اونچی دیوار پھلانگ گئی۔ اب مجھے کون پکڑ سکتا تھا۔

احاطے کے اندر شور بپا تھا۔ میں نے غلام رسول کی آواز سنی۔ وہ ملک کو جگا رہا تھا۔

"ملک جی ! اُٹھو مہتم گھوڑی لے گیا۔"

"عبدل گھوڑیوں کو لگامیں چڑھا دے۔ جلدی کر..... اوئے نورے ! سلطانے ! بجلی ! جلدی اُٹھو....... بھاگو........ ملک جی ! لاڈو......."

یہ آوازیں بھیانک خواب کے جھونکے کی طرح اڑتے اڑتے میرے کانوں سے ٹکرائیں۔ پھر احاطے میں کیا ہوا ــــــ؟ میں کچھ نہیں جانتا۔ ملک لاڈو کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ جب اس نے لاڈو کی کھرلی خالی دیکھی ہو گی تو یقیناً اپنا سر پیٹ لیا ہو گا۔ وہ غلام رسول اور عبدل پر برسا ہو گا۔ اس نے احاطے کے اندر سرکش وحشی اونٹ کی مانند چکر کھائے ہوں گے اور اپنے مزارعوں کو تیز رفتار گھوڑیوں پر میرا تعاقب کرنے کا حکم دیا ہو گا لیکن اب کس مائی کے لال میں ہمت تھی، وہ لاڈو کی گرد کو بھی چھو سکے۔ وہ تو ہوا کو پیچھے چھوڑتی اُڑی جا رہی تھی۔ میں احاطے سے دو اڑھائی میل دور نکل آیا تھا۔

ایک نالے پر میں نے لاڈو کو روک لیا۔ رومال بھگو کر جلدی جلدی زخم صاف کیا اور کس کر پٹی باندھ دی تاکہ خون رِسنا بند ہو جائے۔ اسی اثنا میں چاندنی کے پھیلے غبار میں دور چند سائے لہراتے ہوئے ابھرے اور رات کے سناٹے میں کئی گھوڑوں

اس کے خراٹے بتدریج بلند ہو رہے تھے لیکن عبدل حقّہ بھرنے کے لیے آگ روشن کر رہا تھا۔ ملچھٹی کی لکڑیوں کے شعلے اس کے چہرے پر منعکس ہو رہے تھے اور غلام رسول چھوٹی سرہانے رکھے کمر سیدھی کرنے کے لیے چارپائی پر لیٹ گیا تھا۔

ملچھٹی کے شعلے سرد پڑ گئے۔ عبدل اس کے سُرخ انگارے ٹوپی میں بھرنے لگا لیکن میرے دل میں لاڈو کی محبت کا شعلہ پُوری شدت کے ساتھ بھڑک اُٹھا تھا۔ مَیں نے گھاس کے ڈھیر سے اب دایاں بازو آگے بڑھایا اور لوہے کی کلّی کو جنبش دی جو بائیں ہاتھ میں پیوست تھی۔ جُوں ہی میں نے کلّی ہلائی درد میرے سارے جسم میں انگڑائیاں لینے لگا۔ لیکن مَیں نے ہمّت نہیں ہاری۔ آخر کلّی اُکھاڑ لی اور اسے اپنی ہتھیلی سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔ لیٹے لیٹے مَیں نے رومال سے خوُن صاف کیا جو کہنی تک بہہ آیا تھا پھر وہی خوُن آلود رومال اپنے زخمی ہاتھ پر باندھ لیا۔

اسی لمحے حقّہ گڑگڑانے کی آواز سُنائی دی۔ عبدل زمین پر بیٹھا حقّے کے کش لے رہا تھا لیکن غلام رسول شاید جھونک میں چلا گیا تھا۔

"یار اٹھو۔ مَیں نے حقّہ بھر لیا ہے۔"

مگر غلام رسول نے کوئی جواب نہیں دیا جس سے مَیں نے یہی اندازہ لگایا وہ سو چکا ہے۔ بس یہی لمحہ میرے لیے غنیمت تھا۔ پھر عبدل بھی حقّہ گڑگڑاتا اور بڑبڑاتا ہُوا اپنی چارپائی پر آ بیٹھا۔ بیساکھ کا چاند ہولے ہولے سر پر آ گیا تھا اور اس کی نکھری ہوئی روشنی چاروں طرف کھیت کر رہی تھی ــــــــ مَیں سانپ کی طرح لہرا کر پرالی کے ڈھیر سے نکلا۔ پھر لاڈو کے مُنہ کو لگام (جو مَیں ساتھ لے کر آیا تھا) چڑھانے اور اس کے گلے میں رسّا لپیٹنے میں زیادہ سے زیادہ نصف منٹ صَرف ہُوا ہو گا۔ میرا ہاتھ بجلی جیسی تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ جب لاڈو ہنہنائی مَیں چیتے کی طرح جست لگا کر اس کی پشت پر جا بیٹھا۔

عبدل نے سر موڑ کر کسی سحر زدہ انسان کی طرح مجھے دیکھا۔ شاید اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا تھا کیوں کہ مَیں گھوڑی پر سوار ہو چکا تھا۔ وہ بُری طرح بوکھلا گیا مَیں نے

جارہی تھی ۔ برچھی نے کاری زخم لگایا تھا ۔ ایک ٹھنڈی لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرسرا رہی تھی ۔

چاندنی میں صبحِ کاذب کروٹ لے رہی تھی اور ٹھنڈی ہَوا کے جھونکے میرے زخمی اور اکڑے ہوئے بدن پر کوڑے برسا رہے تھے لیکن مَیں بگٹٹ بھاگا جارہا تھا۔ کھیتوں کو چھوڑکر لاڈو ایک کچے راستے پر آگئی تھی اور مَیں نہیں جانتا تھا یہ راستہ کہاں جاتا ہے ۔

شکاری کتے بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن سُلطانا اپنی گھوڑی کو لیے میرے سر پر آپہنچا تھا۔ برچھی سے زخم بھی اُسی نے لگایا تھا اور اس کی پھینکی ہوئی برچھی اب میرے زخمی ہاتھ میں جھول رہی تھی ۔ مَیں درد کے مارے نڈھال ہُوا جارہا تھا اور پسلی سے خُون بدستور جاری تھا ۔ جس سے میری پیٹھ بھیگ چکی تھی ۔ مَیں نے سوچا کیوں نہ بے ہوش ہونے سے پہلے سلطانے سے نپٹ لوں ۔ شاید اب وہ نہتا بھی تھا ۔ اچانک مَیں نے اس کی آواز سُنی ۔

" رنگو ـــــــ ! تجھے واہگورو کی قسم ٹھہر جا ۔ مَیں تجھ سے گھوڑی نہیں چھینوں گا "۔

" پھر تُو کیا چاہتا ہے ؟ " مَیں نے بھاگتے بھاگتے پوچھا ۔ لاڈو بھی شاید کچھ تھکن محسوس کر رہی تھی ۔ اس کی رفتار میں پہلا سا طرارہ نہیں تھا ۔ سلطانے نے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا ۔

" مَیں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں "۔

مَیں نے اس پر اعتماد کرلیا اور گھوڑی کی باگ کھینچ لی ۔ شیردی بچّی بڑی مشکل سے رُکی اور ایک اُونچی منڈیر کے پاس ٹھہر کر مَیں سلطانے کا انتظار کرنے لگا ۔ بس ایک دو منٹ کے اندر وہ بھی آپہنچا ۔ اس کی مشکی گھوڑی پسینے میں بھیگی بُری طرح ہانپ رہی تھی ۔ اس نے کم و بیش چودہ میل تک لاڈو جیسی برق رفتار گھوڑی کا تعاقب کیا اور اس کے قدم بقدم آئی تھی ۔ سلطانے نے آتے ہی پوچھا ۔

" مجھے بتا ـــــــ تُو نے لاڈو کو کیسے کھولا تو احاطے میں کس طرح داخل ہُوا تھا ؟ "

مَیں نے غور سے سلطانے کو دیکھا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی

کی ٹاپیں سُنائی دیں۔ مَیں سمجھ گیا ملک کے آدمی میرا تعاقب کر رہے ہیں مگر لاڈو جیسی برق رفتار گھوڑی کی موجودگی میں مجھے اس تعاقب کا کوئی اندیشہ نہ تھا —— دُور برچھیوں اور چھویوں کی چمک کوندے کی طرح لپکی۔ مَیں گھوڑی پر سوار ہُوا۔ لاڈو بجلی کی طرح تیرتی اور اُڑتی چلی گئی۔ تعاقب کرنے والوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ چھویاں لہراتے للکارتے اور بلکارتے ہوئے میرے پیچھے چلے آتے تھے۔ مجھے لاڈو پر بہت زیادہ اعتماد تھا اور مَیں سمجھتا تھا کوئی دوسرا جانور اس کی گرد کو بھی نہیں چھُو سکتا لیکن چودھری جی! —— واہگورو کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ بار کے علاقے کی گھوڑیاں تو نری بجلیاں ہیں بجلیاں —— جو پلک جھپکتے ہی میلوں کا فاصلہ طے کر لیتی ہیں۔ جس طرح نظر ایک جنبش میں کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہیں اسی طرح بار کی گھوڑیاں برق رفتار ہیں۔ آدمی کی نظر اُن کا تعاقب نہیں کر سکتی۔

رات کے سفید سناٹے میں دس میل تک تعاقب جاری رہا۔ برچھیاں اور چھویاں میرے پیچھے بھاگی آتی تھیں اور سواروں کے بلکارے مجھے ان کی قُربت کا احساس دلا رہے تھے۔ اچانک مَیں نے محسوس کیا میرا بایاں ہاتھ پھر چیرا جا رہا ہے۔ درد کی تیز لہر سارے جسم میں تیرتی چلی گئی اور میری قوت ہولے ہولے جواب دینے لگی۔ دراصل خون بکثرت بہہ جانے کے باعث بایاں پہلو کمزور ہو چکا تھا اور اب ہَوا لگنے سے پورا بازو اکڑ گیا تھا۔ لگام پر گرفت ڈھیلی ہوئی تو لاڈو کی رفتار بھی ہلکی ہو گئی۔ دو سوار جن کے گھوڑوں کی ٹاپیں میرے سنسناتے، گھومتے ہوئے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح بج رہی تھیں بہت قریب آ گئے تھے۔

معلوم ہوتا تھا میرا سارا جسم درد سے اکڑتا جا رہا ہے اور مَیں کسی وقت بھی لڑکھڑا کر گر سکتا ہوں۔ اسی اثنا میں اچانک عقب سے ایک برچھی اُڑتی ہوئی آئی اور میرے پہلو میں کھُب گئی۔ مَیں نے زخمی ہاتھ سے برچھی کو نکال لیا اور اپنے آپ کو سنبھال کر گھوڑی کو بھرپور ایڑ لگائی۔ لاڈو پھر ہَوا سے باتیں کرنے لگی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کدھر اور کس طرف جا رہا ہوں۔ مَیں تو بس لاڈو کے رحم و کرم پر تھا۔ اب میری پسلی بھی گرم گرم خُون سے بھیگی

کپکپی اور سنسنی طاری ہوگئی۔ رنگو مہتم نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور بولا۔
"بچّے! یہ وہی سوراخ ہے۔ جو غلام رسول نے کِلّی ٹھونکتے وقت میرے ہاتھ میں کیا تھا۔ میں نے لاڈو کے لیے بڑا دکھ جھیلا ہے"۔
پھر اس نے پسلی کا زخم دکھایا اور کہنے لگا۔
"چودھری جی! یہ جانور کا شوق بھی عجیب ہوتا ہے۔ لاڈو ہی کو دیکھ لیں اس کی خاطر میں پورے تین مہینے ہسپتال میں پڑا رہا۔ میرے ہاتھ کا زخم خراب ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے ٹھیک ہوا اور لاڈو کی یاد میں یہ سوراخ ہمیشہ کے لیے میرے حصّے میں آیا میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں۔ مجھے بیساکھ کی وہ چاندنی رات یاد آجاتی ہے۔ جب میں ملک کے احاطے میں گھاس اور پرالی کے ڈھیر میں جا چھپا تھا۔
ہسپتال میں مجھے سلطانے کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی تھیں۔ واقعی وہ بہادر آدمی تھا اور اس رات مجھ سے گھوڑی چھین لینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کیوں کہ میں زخمی ہو چکا تھا۔ پھر اس کی مشکی گھوڑی بھی لاڈو سے کچھ کم تیز رفتار نہ تھی لیکن میری دلیری اور زخمی حالت کو دیکھ کر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور خالی ہاتھ واپس چلا گیا۔ چلا کہاں گیا واہگورو کی قسم! وہ تو میرے ذہن میں آگھسا تھا اور کبھی کبھار میں سوچتا "اچھا سلطانے! اگر کبھی قسمت نے یاوری کی تو تیرے احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گا"۔
اس کی ایک بات رہ رہ کر مجھے بے چین کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا "لاڈو کو لے کر اس علاقے میں کبھی نہ آنا ورنہ پچھتاؤ گے"۔
اور میں سوچتا تھا سلطانے کی اس بات کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ مجھے بزدل سمجھتا ہے یا بار کی تیز رفتار گھوڑیاں لاڈو کو گھیر لیں گی۔ آخر وہ کہنا کیا چاہتا تھا؟
یقین جانیں چودھری جی! سلطانے کی بات تین ماہ تک میرے ذہن کے گوشوں میں واؤ ورولے کی طرح گھومتی رہی۔ جب میں ہسپتال سے نکلا تو یہ ارادہ کر چکا تھا میں ایک مرتبہ لاڈو کو لے کر ملک کے ڈیرے پہ ضرور جاؤں گا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کم از کم سلطانے کو یہ تو معلوم ہو جائے گا۔ رنگو مہتم ڈرنے والی جنس نہیں۔

تک چمک رہی تھی۔ وہ واقعی ایک دلیر اور بہادر جوان تھا۔ جسے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ میں نے اسے سارا واقعہ سنا دیا اور اپنا زخمی ہاتھ دیکھا کر بولا۔

" سلطانے! لاڈو کو میں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا ہے۔ میں اس کی قیمت ادا کر چکا ہوں اور تیری برچھی نے میری پسلی چھید ڈالی ہے میں خون میں بھیگا ہوا ہوں۔ اب تو ملک جوجی میں آئے کرنا پھرے میں گھوڑی واپس نہیں کروں گا۔"

سلطانا میری کہانی سُن کر دنگ رہ گیا۔ اس نے تحسین آفرین نظروں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا۔" رنگو! رسول پاکؐ کی قسم واقعی تُو نے لاڈو کی قیمت ادا کر دی اور اب ملک کو کوئی حق نہیں پہنچتا وہ تجھ سے گھوڑی طلب کرے۔ میں تجھے مبارک باد دیتا ہوں۔ جا لاڈو کو لے کر نکل جا اور پھر اس علاقے میں کبھی نہ آنا۔ میرا مطلب ہے۔ لاڈو کے ساتھ ہرگز نہ آنا۔ ورنہ پچھتائے گا۔"

" کیوں؟"

" بس میں نے تجھے کہہ دیا۔ سُلطانے کی اس بات کو یاد رکھنا۔ رسول پاکؐ کی قسم اگر میں چاہوں تو لاڈو کو اب بھی تجھ سے چھین سکتا ہوں۔ آج تک کوئی آدمی مجھ سے بچ کر نہیں جا سکا۔ مگر میں سمجھتا ہوں لاڈو اب تیری ہو چکی بس اس کو لے کر چلا جا۔ میں چاچے کو سمجھا دوں گا۔ اسے بہت دُکھ ہوگا لیکن کوئی بات نہیں...."

یہ کہہ کر سلطانے نے اپنی مُشکی گھوڑی کا رُخ موڑا اور صبح کی مکر چاندنی میں واپس چلا گیا۔ بہت دُور گھوڑوں کی ٹاپیں ابھریں۔ شاید ملک کے "شکاری کتے" بو سونگھتے آرہے تھے۔ میں نے لاڈو کو ایڑ لگائی اور ہوا ہو گیا۔

اتنا کہہ کر رنگو نہتم سانس لینے کے لیے رُکا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ کُرتے کے دامن سے باہر نکالا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا' اس کی ہتھیلی میں پیسے کے برابر ایک گول سوراخ تھا۔

میرے والد بھی اس گول سوراخ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ مجھ پر تو ایک عجیب سی

اپنے قول سے پھر جاؤں تو سمجھنا مجھے کسی کُتّی نے جنا ہے۔"

اتنی بڑی قسم کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ کوئی مسلمان رسول پاکؐ کی قسم کھا کر دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں گھوڑی سے اُترا۔ وہ احاطے اور اپنے پُرانے مالک کو دیکھ کر ہنہنائی۔ ملک نے آگے بڑھ کر اس سے پیار کیا۔ اس کی گردن تھپتھپائی اور دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ "رنگو! تُو نے لاڈو کو بڑے پیار سے رکھا ہے۔ یہ پہلے سے بھر گئی ہے۔"

مگر ملک کے ڈیرے پر ہر آدمی کی آنکھوں میں مجھے بجلیاں سی کوندتی نظر آرہی تھیں۔ جیسے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے چین تھے۔ خاص طور سے غلام رسول اور عبدل تو بار بار مجھے گھُورتے تھے۔ اگر ان کا بس چلتا تو شاید وہ میری تِکّا بوٹی کر ڈالتے، کیوں کہ گھوڑی پر اُس رات انہی کا پہرہ تھا جب میں اسے اُڑا لے گیا تھا اور سلطانا تو مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ میں نے اس کی نگاہوں کے چابک اپنے جسم پر پڑتے محسوس کیے۔ گویا وہ کہہ رہا تھا۔ "رنگو! تُو نے میری بات نہ مانی اور گھوڑی لے کر آگیا ——— تُو نے بُرا کیا۔"

لیکن ملک کا سلوک بڑا مختلف تھا اور سلطانا حیران تھا۔ آخر ملک کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ میری طرف ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جن میں سرزنش تھی، جیسے وہ کہہ رہا تھا۔ "رنگو! یہ تُو نے کیا ستم مارا۔ میری نصیحت کے باوجود لاڈو کو لے کر آگیا۔ اب لاڈو یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

اس کی نظروں نے مجھے احساس دلایا کہ مجھ سے کوئی بھاری غلطی سرزد ہو گئی ہے ملک نے میری خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ میں نے اُسے اپنا ہاتھ دکھایا جس میں سوراخ ہو چکا تھا۔ سب لوگ حیرت و تعجب سے مجھے دیکھتے رہے میں نے کہا۔" میں تین ہزار روپیہ دینے کے لیے تیار تھا لیکن ملک نے میری پیش کش ٹھکرا دی۔ آخر اس زخم کے بدلے میں لاڈو کو لے گیا۔ کیا یہ سوراخ تین ہزار سے زیادہ قیمتی نہیں۔ اب تو لاڈو پر میرا حق ہے۔"

"رنگو! واقعی تُو نے جانور کی محبّت کا حق ادا کر دیا۔ مجھے کیا خبر تھی تیرے

تین ماہ کا عرصہ مَیں نے لائل پور میں گزار دیا تھا۔ لاڈو ایک سکھ سردار اجل سنگھ کی زمینوں پر بھیج دی گئی تھی جو سمندری کی طرف واقع تھیں۔ ہسپتال سے نکل کر مَیں سیدھا اجل سنگھ کے مربعوں پر پہنچا۔ لاڈو پر بلا کا رُوپ آگیا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ سڈول اور حسین لگ رہی تھی۔ مَیں نے چند روز اجل سنگھ کے مربعوں پر گزارے۔ پھر لاڈو کو لے کر چل دیا۔

اس دوران ملک نے لاڈو کی تلاش جاری رکھی تھی۔ اس کا خیال تھا شاید مَیں گھوڑی کو لے کر ماجھے کے علاقے میں چلا گیا ہوں۔ اس نے غلام رسول کو امرتسر بھیجا اور وہ اجنالہ کے پاس چمیاری کے گاؤں میں ٹھہرا رہا۔ پھر وہاں سے نکلا اور سکی عبور کر کے لکھوال اور بھڑوال پہنچا۔ آخر وہ مایوس لوٹ آیا۔ اسے یہی اطلاع ملی۔ رنگو چار ماہ سے نہیں آیا۔

یہ سب باتیں مجھے ملک کی زبانی معلوم ہوئیں ——— جی ہاں مَیں ملک سے مِلا اور اس کے ڈیرے پر پہنچا تھا۔ اس وقت مجھے سلطانے کی بات کا وزن محسوس ہُوا۔ واقعی مجھے لاڈو کے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا لیکن مجھ پر تو برتری کی دُھن سوار تھی اور مَیں بتانا چاہتا تھا۔ رنگو بزدل نہیں، رنگو چُوہڑا نہیں، گرفتاری کا خیال تک نہیں تھا۔ لاڈو کے ہوتے ہوئے کون مجھے پکڑ سکتا تھا۔

بھادوں کے دِن تھے اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی۔ مَیں لاڈو پر سوار دوپہر کے قریب ملک کے ڈیرے پر جا پہنچا۔ اس نے حیرت اور تعجب سے مجھے دیکھا اور سب سے زیادہ تعجب سُلطانے کو تھا۔ وہ للکار کر بولا "رنگو! تیری تقدیر تجھے گھیر کر لے آئی ہے"۔

مَیں نے جواب دیا "مَیں ملک کو اتنا کمینہ نہیں سمجھتا کہ وہ گھر آئے ہوئے دشمن پر ہاتھ اُٹھائے گا۔ مَیں تو اس سے ایک ہزار روپیہ لینے آیا ہوں۔ اس نے کہا تھا اگر مَیں لاڈو کو لے گیا تو یہ مجھے ایک ہزار روپیہ انعام دے گا"۔

"گھوڑی سے نیچے اُتر آ۔ مَیں اپنے قول کا پکّا ہوں۔ رسول پاکؐ کی قسم! اگر مَیں

میرا سارا بدن پسینے میں بھیگ گیا۔ کوئی جتن ایسا نہ تھا جو مَیں نے آزمایا نہ ہو لیکن گھوڑی پر کوئی اثر نہ ہو۔ وہ جوں کی توں کھڑی رہی۔ آخر ملک کی آواز سنائی دی۔ "رنگو! جب تک مَیں نہ کہوں گا لاڈو قیامت تک یہاں سے نہیں ہل سکتی۔ شکر کر اس دن مَیں بروقت بیدار نہ ہو سکا۔ ورنہ تُو گھوڑی نہیں لے جا سکتا تھا۔"

ملک واقعی ٹھیک کہتا تھا۔ اب اس نے مجھے ایک اور تماشا دکھایا۔ نہ جانے اس نے اپنی آواز سے کیا اشارہ کیا کہ لاڈو اُلٹے قدموں واپس چلنے لگی۔ مَیں نے اسے ہر ممکن طریق سے روکا لیکن وہ اُلٹے پاؤں مجھے پھر ملک کے پاس لے آئی۔ اس نے اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر ایک زبردست قہقہہ لگایا اور مَیں شرمسار ہو کر گھوڑی سے اُتر آیا۔ مَیں اس قدر شرمندگی محسوس کر رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جاؤں۔ ملک نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رنگو! اس دن تو گھوڑی نہیں اپنی قسمت لے گیا تھا۔"

"ملک جی! تم ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی مَیں ہار گیا۔ مگر گھوڑی واپس نہیں دوں گا۔"

"پگلے! لاڈو اب تیری ہو چکی۔"

ملک کی زبان سے یہ بات سُن کر مَیں اس سے لپٹ گیا اور بولا۔

"ملک جی! مَیں کل ہی تین ہزار روپے ادا کر دوں گا۔"

ملک نے خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورا اور تلخ لہجے میں کہنے لگا۔

"اوے رنگو! کتّا نہ بن۔ مَیں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ کوئی باپ اپنی اولاد کی قیمت نہیں لیتا۔ لاڈو کا روپیہ لیتے ہوئے مجھے شرم نہیں آئے گی؟"

اس طرح ملک نے لاڈو مجھے سونپ دی۔

مَیں نے جیون میں بے شمار آدمی دیکھے ہیں۔ بڑے بڑے حاتم طائی بھی اور کنجوس بھی، شاہ اور فقیر بھی لیکن ملک اللہ جوایا کی شان ہی کچھ اور تھی۔ مَیں نے ایسا کھرا، صاف گو اور صاف دل آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ جب اس نے گھوڑی مجھے بخش دی اور قیمت لینے سے بھی انکار کر دیا تو سلطانے کے چہرے پر اطمینان کی لہر

دِل میں لاڈو کا اتنا پیار ہے"۔

"لیکن ملک جی! وہ ایک ہزار روپیہ......"

"اوئے رنگو! مَیں تجھے ایک ہزار دوں گا لیکن اس شرط پہ اگر تو گھوڑی میرے سامنے لے جائے"۔

اگرچہ ملک اللہ جوایا نے بار کے لوگوں کی میزبانی کی رسم نبھائی اور میرے ساتھ محبّت و شفقت کے ساتھ پیش آیا لیکن میرے دِل میں ایک نہ معلوم سا خوف تھر تھرا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے آدمیوں کی مدد سے مجھے پکڑ لے اور گھوڑی رکھ لے۔ دِل میں عجیب سا وہم پیدا ہوا۔ کہیں ملک میرے لیے کوئی پھندا تو تیار نہیں کر رہا؛

سہ پہر کے وقت میں جانے کے لیے تیار ہوا۔ ملک نے گھوڑی کی باگ میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں جب سوار ہو چکا تو وہی برتری کا احساس طاری ہو گیا۔ بھلا اب مجھے کون روک سکتا ہے۔ مَیں نے للکار کر کہا "ملک جی! مَیں جا رہا ہوں اور یاد رکھو تم نے وعدہ کر کے مجھے ایک ہزار نہیں دیے"۔

ملک نے اپنے تہبند کی "ڈَب" سے ایک ہزار روپے کے نوٹ نکالے اور کہنے لگا۔" تو اگر موڑ تک جا کے لوٹ آئے تو یہ ہزار تیرا ہے"۔

مَیں نے لاڈو کو ایڑ لگائی اور ہوا ہو گیا لیکن ابھی صرف ڈیڑھ فرلانگ ہی گیا تھا کہ عقب سے ملک نے اپنے حلق سے ایک عجیب و غریب آواز نکالی اور حلق پھاڑ کے بولا۔" لاڈو! رُک جا"۔

لاڈو سرپٹ جا رہی تھی ملک کی آواز سُن کر انہی قدموں پر رُک گئی۔ مَیں نے بہتیرا سر مارا۔ ایڑ لگائی، لگام کھینچی، پیار کیا، مارا لیکن لاڈو نے دوسرا قدم نہیں اُٹھایا۔ مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا۔ اب مجھ پر سلطانے کی بات کھلی وہ مجھے کیوں روکتا تھا کہ میں لاڈو کو لے کر اس علاقے میں نہ آؤں۔ وہ ملک کی آواز پر لگی ہوئی تھی اور اس کی موجودگی میں کوئی شخص لاڈو کو نہیں لے جا سکتا تھا۔

(۳)

# لاڈو رانی

یکم مارچ ۱۹۴۲ء کا دِن مجھے کبھی نہیں بھُول سکتا ۔ اس تاریخ کو رنگو مہتم ہمارا مہمان تھا ۔ ـــ ماجھے کا وہ مشہور ڈاکو جسے لوگ بلائے آسمانی کے نام سے یاد کرتے تھے ۔

اس نے وہ رات بھی ہماری حویلی میں گزاری اور لاڈو کی باتیں سناتا رہا وہ باتیں ۲۴ سال گزرنے کے بعد آج بھی میرے حافظے پر نقش ہیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے ۔ جیسے یہ کل کا واقعہ ہو ۔ آج اس کی باتوں پر کہانیوں کا گمان ہوتا ہے لیکن وہ کہانیاں نہ تھیں ۔ حیرت انگیز واقعات تھے جو رنگو کے ساتھ پیش آئے ۔

مَیں آپ کو بتا چکا ہوں، میرے والد سے ملنے کے لیے لوگ دُور دور سے آتے جاتے رہتے تھے اور بعض اوقات کئی کئی روز قیام کرتے تھے ۔ ہماری حویلی میں گلی کے رُخ جس کے سامنے ایک مندر کا احاطہ واقع تھا ۔ کھلی ڈیوڑھی تھی وہی ڈیوڑھی مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی ۔ گلی دس بارہ فٹ چوڑی تھی ۔ مشرقی جانب

پیدا ہوئی۔ ورنہ پہلے وہ بڑا بے چین نظر آتا تھا اور اس کی نظریں میرے جسم پر چابک مار رہی تھیں۔ ملک اللہ جوایا کے ساتھ میں نے سلطانے کے دِل میں بھی ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی۔

اب میں محسوس کرتا ہوں پہلے روز اس نے مجھے جو دھمکی دی تھی وہ خالی دھمکی نہ تھی بلکہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کی اہمیت مجھ پر تین ماہ کے بعد واضح ہوئی۔ اس رات اگر ملک بروقت بیدار ہو جاتا تو نہ صرف اس کی ایک ہی آواز لاڈو کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی بلکہ میرا جسم بھی چھوّیوں اور برچھیوں سے چھد جاتا اور مجھے ہمیشہ کے لیے لاڈو سے ہاتھ دھونا پڑتے لیکن قدرت مجھ پر مہربان تھی۔ اس رات ملک کی آنکھ نہ کھُلی اور میں گھوڑی لے کر نکل گیا۔ پر چودھری جی! آپ یہ نہ سمجھیں رنگو مہتم چوہڑا نکلا اور ملک کی بخشی ہوئی گھوڑی لے آیا۔ واہگورو کی قسم! اس دن کے بعد میں ملک کو اپنا باپ سمجھنے لگا ہوں اور وہ بھی بیٹے کی طرح ہی مجھ سے پیار کرتا ہے۔ میں نے لاڈو کے بدلے اس کے ایسے ایسے کام کیے ہیں کہ اگر وہ ہزاروں روپیہ صرف کر دیتا تب بھی نہ ہوتے۔

اب میرا اور اس کا ایک رشتہ ہے۔ باپ بیٹے کا رشتہ۔

وہ جب مجھے بلاتا اور پیغام بھیجتا ہے میں بجلی کی طرح اُڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر نہال ہو جاتا ہے۔ پہلے بار کے لوگوں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن لاڈو کی بدولت مجھے معلوم ہُوا وہ محبت کرنے والے کھرے لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ زبان سے جو کچھ کہہ دیتے ہیں اس پر زندگی بھر قائم رہتے ہیں۔ ملک نے مجھے بھی آدمی بنا دیا ہے اور اب میرا اکثر وقت اسی کے پاس صرف ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر رنگو مہتم خاموش ہو گیا۔ حویلی میں لاڈو کے ہنہنانے کی آواز سُنائی دی اور میں کمرے سے اُٹھ کر باہر آگیا۔

کی بنی ہوئی مٹھا مالٹا کی بوتل اس کے پاس تھی - والد کو پتہ چلا تو انہوں نے رنگو کو پینے کی اجازت دے دی لیکن اس نے بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا - بولا -

" چودھری جی ——— ! میں جانتا ہوں اس گھر میں پانچ وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے - یہاں شراب پیتے ہوئے مجھے شرم نہ آئے گی ؛ میں ایک رات میں مر نہیں جاؤں گا ——— پھر گھر کی بیبیاں سُنیں گی تو کیا کہیں گی "۔

اس نے شراب نہیں پی بلکہ شراب کی بجائے دودھ کا بھرا ہُوا گلاس پیا اور ہمیں لاڈو کی باتیں سُنانے بیٹھ گیا -

ملک کے ساتھ اس کی گہری دوستی ہو گئی تھی - ملک اللہ جوایا کو تو خیر وہ اپنا باپ کہتا تھا - اس کی دوستی دراصل سلطانے کے ساتھ ہوئی تھی جس نے اسے چھوّی کا زخم لگا کر چھوڑ دیا تھا - جس طرح اس نے لاڈو کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگادی اور اسے کرٹے پہرے سے نکال کر لے گیا تھا - اسی طرح اس نے سلطانے کی دوستی کا حق ادا کر دیا - رنگو ایک عجیب قسم کا آدمی اور دوستی کے رشتے کو تمام رشتوں سے مقدّس سمجھتا تھا - اس نے کہا -

" چودھری جی ——— ! کسی کو یار کہنا آسان ہے لیکن یاری نبھانی بہت مشکل ہے - میرے نزدیک ماں اور باپ کے رشتہ کے بعد یار کا رشتہ سب سے اہم ہے "-

پھر اس نے اپنی اور سلطانے کی یاری کا قصہ سُنایا اور کہنے لگا -

" لاڈو سے مجھے اس لیے بھی پیار ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے سلطانے جیسا یار مل گیا جس کی خاطر میں اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہوں "۔

پھر وہ بتانے لگا - سرشمیر میں ملک کے ڈیرے پر آنے جانے سے سلطانے کے ساتھ گہری دوستی ہو گئی - اسی رات جس رات میں لاڈو کو لے کر بھاگا مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ سلطانا ایک بہادر گبھرو اور دوستی کے قابل ہے چنانچہ میں نے اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا -

سلطانا ۲۵ - ۲۶ سال کا نوجوان تھا - اس کا باپ چودھری قربان علی پہلی جنگ

مندر کی دیوار تھی اور مغربی جانب ہماری حویلی۔ مندر کا دروازہ شمال مغربی رُخ پر تھا۔ جس کے پاس جامن کا ایک اُونچا درخت کھڑا تھا۔ اس کی شاخیں ہماری ڈیوڑھی کی چھت پر لٹکی رہتی تھیں۔ ڈیوڑھی سے ایک سیدھی گلی زنان خانہ کے صحن میں جاتی تھی۔ گھوڑے گھوڑیاں اس احاطے میں باندھے جاتے تھے جو ڈیوڑھی سے ملحق تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ احاطہ ہی اصطبل کا کام دیتا تھا۔ ڈیوڑھی کی ایک کھڑکی اصطبل میں کھُلتی تھی اور اس کھڑکی سے تھان پر بندھی ہوئی لاڈو دکھائی دے رہی تھی۔ جس کی کھُرلی عالم نے چارے سے بھر دی تھی ہمارا لنڈی اس کے سامنے ایک حقیر مچھر نظر آ رہا تھا۔

عالم کا یہ عالم تھا کہ لاڈو پر قربان ہُوا جاتا تھا۔ کبھی اسے پانی پلاتا۔ کبھی چارہ دیکھنے کے بہانے جاتا اور کبھی رنگو کی ہدایت پر دانہ ڈال آتا تھا۔ ہم رنگو کا بایاں ہاتھ بار بار دیکھتے تھے۔ جس میں وکٹوریہ کے پیسے کے برابر ایک چھید اس کی عجیب و غریب بہادری کی کہانی سُنا رہا تھا۔ اس زمانے میں اگرچہ جارج ششم کا راج تھا لیکن ملکہ وکٹوریہ کے عہد کے روپے پیسے بھی چلتے تھے۔ وہ پیسہ آج کل کے آٹھ آنے (پچاس پیسے) کے برابر ہوتا تھا بلکہ اس زمانے میں تو کوڑیاں بھی چلا کرتی تھیں۔ بساطی کی دوکان سے بیس کوڑی کے عوض سرسوں کا آدھی چھٹانک تیل مل جاتا تھا۔

وہ زمانہ اب خواب و خیال ہو چکا ہے۔

مَیں آپ کو رنگو مہتم کی کہانی سنا رہا تھا۔ عالم نے ڈیوڑھی میں اس کے لیے بستر لگا دیا تھا۔ اس کی چارپائی اس کھڑکی کے پاس بچھائی گئی تھی۔ جو اصطبل میں کھلتی اور جہاں سے وہ ہر وقت لاڈو کو دیکھ سکتا تھا۔

شام کے کھانے کے بعد ہم پھر رنگو کے پاس آ بیٹھے۔ میری شہسواری کے واقعات سُن کر وہ بہت خوش ہُوا۔ کہنے لگا۔ —— "چودھری! کل مَیں تمہیں لاڈو کی سواری کراؤں گا۔"

رنگو شراب پینے کا عادی تھا۔ اس روز بھی چھہرٹہ امرتسر کے سرکاری کارخانے

مجھ سے ڈھکی چھپی نہ رہے ۔ اگر وہ مجھ سے کوئی بات چھپاتا ہے تو اس کا مطلب میں یہی سمجھتا ہوں اسے میری یاری پر بھروسا نہیں ۔۔۔۔۔۔

میں جب کبھی سکّی دلیں سے بار کے علاقے میں جاتا سلطانے کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لے جاتا تھا ۔ اس نے میری زندگی پر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا اور میں ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کسی طرح اس کے احسان کا بدلہ چکاؤں گا مگر مجھے کوئی موقع نہ مل سکا ۔

سلطانے کے ساتھ دوستی ہوئی تو اس کے گھر میں بھی آنا جانا ہوا اور میں اس کی بوڑھی ماں کو ماں جی کہنے لگا ۔ ماں جی بڑی شفیق اور مہربان عورت تھی ۔

اگرچہ میں سکھ تھا اور وہ مسلمان لیکن واہگورو کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس نے کبھی مجھ سے پرہیز نہیں کیا اور میں جب بھی جاتا مجھ سے ماں ہی کی طرح پیار کرتی تھی ۔

میں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا میں بچّہ ہی تھا جب میری ماں مرگئی تھی ۔ مجھے چاچی نے گود میں لے لیا تھا مگر وہ بڑی سخت گیر عورت تھی ۔ اس نے پیار کی بجائے ہمیشہ ڈنڈا استعمال کیا ۔ وہ مجھے بے تحاشا پیٹا کرتی اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر غیر معمولی سزائیں دیتی تھی ۔ میں پیار کو ترستا لیکن مجھے جھڑکیاں سننا پڑتیں اور چاچی کے تھپڑ مکّے اور ڈنڈے کھانا پڑتے تھے ۔ یہی وجہ تھی شروع ہی سے میرے دل میں بغاوت کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا تھا ۔ سلطانے کے ساتھ یاری ہوئی تو اس کی ماں مجھے پتّر کہنے لگی ۔

واہگورو کی قسم ۔۔۔۔۔۔ میں یہ لفظ سننے کے لیے ترس گیا تھا ۔۔۔۔۔ بچپن میں میری کتنی آرزو تھی چاچی کبھی مجھے بھی پتّر کہہ کر بلائے مگر وہ تو ہمیشہ مجھے لچّا ۔۔۔۔ ہُچا ۔۔۔۔۔ ویلا جیسے دل سوز الفاظ سے پکارتی اور معمولی سی بات پر مار مار کے میرا بھُرتا بنا دیا کرتی تھی ۔ ۳۵ سال کی عمر میں ماں جی کی زبان سے پہلی بار پتّر کا لفظ سن

عظیم میں اس ہندوستانی پلٹن میں سپاہی تھا جو عرب میں ترکوں کے خلاف لڑی تھی۔ مگر چودھری قربان علی ایک سچّا مسلمان تھا۔ اس نے ترکوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا اور انگریز میجر سے صاف صاف کہہ دیا۔

"میں اپنے مسلمان بھائیوں پر بندوق نہیں اٹھاؤں گا۔"

اس پر چودھری قربان علی کا کورٹ مارشل کیا گیا اور اسے ایک تنگ ڈربے میں بند کر دیا گیا۔ پانچویں روز جب اُسے باہر نکالا گیا تو اس کی حالت بے حد خراب تھی لیکن اس حالت میں بھی اس کی زبان پر ایک ہی فقرہ تھا۔

"میں ترکوں سے نہیں لڑوں گا۔"

جنگ کے بعد جب وہ پنجاب میں واپس آیا تو ان پنجابی سپاہیوں کو زمینیں اور انعام دیے گئے جو عرب میں لڑے تھے لیکن چودھری قربان علی کو کچھ نہ ملا بلکہ اس کی ذاتی زمین بھی قبضے سے نکل گئی تھی۔ اس نے ملک اللہ جوایا کی زمینوں پر مزارع کی حیثیت سے کام شروع کیا اور دیانت داری سے ملک کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ سلطانا اس کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اس کی عمر بمشکل بارہ سال کی ہو گی جب چودھری قربان علی چل بسا۔

ملک اللہ جوایا کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے سلطانے کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ چنانچہ چودھری قربان علی کی وفات کے بعد اس کا پیار بڑھ گیا اور وہ سلطانے سے واقعی بیٹے کی طرح محبت کرنے لگا۔ سلطانا نہ صرف قد کاٹھ کا مضبوط اور ہمت کا شیر تھا بلکہ خدا نے اسے شکل و صورت بھی ایسی بخشی تھی کہ لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے۔ وہ ایک نڈر، دلیر اور بانکا گبھرو تھا۔ سرشمیر کی کئی لڑکیاں اس پر جان دیتی تھیں مگر سلطانے نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

میں نے سلطانے سے یاری کر لی تھی مگر مجھ میں ایک بہت بڑا عیب ہے میں اپنی یاری میں کسی تیسرے وجود کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جس کو یار کہتا ہوں اس کے لیے جان بھی قربان کر سکتا ہوں لیکن یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس کی کوئی بات

اس کا ہر فقرہ میرے کلیجے کو کاٹتا چلا گیا۔

"پُتّر ——— ! مانواں دے دِل بڑے نازک ہُندے نیں۔ ایہہ نکھتہ ٹریاں تے پُتراں اُتوں واری ہو جاندیاں نیں۔ اَج توں تُوں وی مینوں اپنی ماں ای سمجھ لے۔"

(بیٹا ——— ! ماؤں کے دِل بڑے نازک ہوتے ہیں۔ یہ قسمت ماریاں تو اپنے بیٹوں پر قربان ہو جاتی ہیں۔ آج سے تُو بھی مجھے اپنی ماں ہی سمجھ لے)

اور ماں جی کے اس فقرے نے ہمیشہ کے لیے مجھے اپنا بنا لیا۔ مَیں اسے اپنی ماتا سمجھنے لگا اور اس نے بھی اپنے بیٹے کی طرح مجھے پیار کیا۔ اب سکی دلیس میں میرا دِل نہیں لگتا تھا اور مَیں اکثر بار میں چلا جاتا تھا۔ سلطانا میرا جگری یار بن گیا تھا۔

●

کتک کا مہینہ تھا اور گلابی جاڑے شروع ہو چکے تھے۔ جب مَیں نے سکی کو پار کیا اور سرشمیر کی طرف چل دیا۔ ملک کے ڈیرے پر آیا تو یہاں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی۔ مَیں نے دیکھا ملک کچھ بُجھا بُجھا سا بیٹھا ہے مَیں جب کبھی جاتا وہ آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لپٹا لیا کرتا اور خیریت پوچھتا تھا۔ پھر فوراً عبدل یا غلام رسول کو دودھ لانے کا حکم دیتا تھا لیکن اس مرتبہ جب مَیں گیا تو وہ بدستور چارپائی پر بیٹھا رہا۔ مَیں نے خود ہی آگے بڑھ کر اس کے چرنوں کو ہاتھ لگایا۔ ملک کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی مگر وہ مسکراہٹ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

"رنگو ——— ! اچھا ہوا تو آگیا۔ مَیں کئی دِن سے تجھے یاد کر رہا تھا۔"

مَیں نے اُداسی کی وجہ نہیں پوچھی، جانتا تھا وہ خود ہی مجھے سب کچھ بتا دے گا۔ اس نے ایک نظر گھوڑی کو بھی دیکھا اور بولا۔

"لاڈو ——— کچھ کمزور ہو گئی ہے۔ رنگو! کیا تو نے میری پُتری کی ٹہل سیوا کرنی چھوڑ دی ہے ——— ؟"

مَیں جب بھی آتا ملک اُٹھ کر لاڈو سے بھی پیار کیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ بس بیٹھے بیٹھے اسے دیکھتا رہا پھر عبدل سے کہنے لگا۔

کر میری جو کیفیت ہوئی مَیں بیان نہیں کر سکتا - اس ایک لفظ میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میرا دِل پگھل گیا وہ دِل جو پتھر کی طرح سخت ہو چکا تھا جس نے عورتوں کے کانوں سے سونے چاندی کی ڈنڈیاں اور بالیاں نوچتے وقت کبھی ان کی چیخوں پر دھیان نہیں دیا تھا جو خون کے چھینٹے اُڑانے اور چھوّیوں سے لوگوں کو لہولہان کرنے پر بھی پتھر کا ایک ٹکڑا ہی بنا رہا۔ سلطانے کی ماں کے ہونٹوں سے پُتّر کا لفظ سُن کر کانپ اُٹھا - میرے سینے میں رکھا ہُوا پتھر کا ٹکڑا اس ایک لفظ کی گرمی سے پگھل کر پانی بن گیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے -

چودھری جی ——— ! مَیں بالکل جانور تھا - مَیں نے بڑے بڑے ڈاکے مارے - چھویوں اور برچھیوں سے کھیلا - پولیس سے مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا اور کوئی مائی کا لال میرے سر کو جھکا نہ سکا لیکن سلطانے کی ماں نے ایک لفظ ——— پُتّر کہہ کر میری دنیا ہی بدل دی اور مجھے یاد دلایا کہ مَیں جانور نہیں ایک انسان ہوں۔ ——— ایک ایسا انسان جسے ایک بوڑھی عورت پُتّر کہہ سکتی ہے - ممکن ہے آپ حیران ہوں لیکن مَیں ماں جی کے پیار بھرے شبد کو سُن کر بچّوں کی طرح رو دیا - اس نے آگے بڑھ کر میرے سر پہ ہاتھ رکھا اور بولی -

" پُتّر ! ایہدے وِچ رون والی کیہڑی گل اے - جیو جیا سُلطانا پُتّر اوہو جیا توں پُتّر ——— "

( بیٹا ——— ! اس میں رونے کی کون سی بات ہے جیسا سلطانا بیٹا ویسا ہی تو بیٹا )

اور اس فقرے کو سُن کر مَیں نے محسوس کیا میری ماں مڑیوں (شمشان) کے ویرانے سے نکل کر میرے پاس آ گئی ہے اور اس نے اپنا پیار مجھے بخش دیا ہے -

مجھے ماں جی میں اپنی ماتا کا رُوپ نظر آنے لگا - وہ بدنصیب ماں جس کا بیٹا چاچی کی جھڑکیاں سہہ کر اور مار کھا کر بڑا ہُوا تھا -

مَیں نے ماں جی کے چرن چھُو لیے اور اس سے لپٹ کر دیر تک روتا رہا -

بھی مجھے اُکھڑا اُکھڑا سا نظر آیا ہے"۔

"تجھے وہم ہو گیا ہے رنگو ———!"

"میرا وہم ہے یا حقیقت لیکن سلطانے! ایک بات پلّے باندھ لے تو میرا یار ہے اور میں اپنی یاری میں کسی تیسرے وجود کو برداشت نہیں کیا کرتا۔ بس ملک سے تیرا جھگڑا نہیں ہونا چاہئیے۔ اسے میں اپنا باپ کہہ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تیری خاطر دُنیا کے ہر آدمی سے ٹکر لے سکتا ہوں۔ اب تو مجھے صاف صاف بتا دے معاملہ کیا ہے؟"

مگر اس کے جواب میں سلطانے نے مسکرا کر بات ختم کر دینا چاہی اور مجھے حیران و پریشان چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ میں اس رویئے پہ بہت حیران ہوا۔ میں آ دُل اور سلطانا مجھے چھوڑ کر چلا جائے ———؟ آج تک کبھی ایسا نہ ہُوا تھا۔ میں اسی سوچ میں ڈوبا ماں جی کے پاس جا بیٹھا اور پوچھا۔

"ماں جی ———! یہ سلطانے کو کیا ہُوا ہے۔ وہ بیمار تو نہیں رہا؟"

"کیا اس نے تجھے کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں ماں جی ———! وہ میری بات ہی نہیں سنتا"۔

"پتر ———! میرا سلطانا چکر میں آ گیا۔ اللہ سائیں نے مجھے بیٹے کا بڑا سکھ دیا تھا لیکن اب اس کا دُکھ مجھے پریشان کر رہا ہے"۔

"دُکھ ———؟"

میں یہ لفظ سُن کر چونک اُٹھا۔

"ماں جی! مجھے بتاؤ سلطانے کو کیا دُکھ ہے۔ میرے جیتے جی وہ دُکھی نہیں رہ سکتا۔ میں اس کا دُکھ اپنے دل پر اٹھا لوں گا ——— آخر قصہ کیا ہے؟"

پھر ماں جی نے ایک ایسی کہانی سُنائی جس نے مجھے حیران کر دیا۔

پچھلے سال سلطانا [illegible] کے ایک چک میں گیا۔

"عبدل ! جا رنگو کے کھانے پینے کے لیے کچھ لے آ۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور چپ چاپ ڈیرے کے اندر اپنی حویلی میں چلا گیا۔ مجھے یہ سلوک کچھ عجیب سا لگا۔ یہ اوپری محبّت کسی المناک واقعہ کی خبر دے رہی تھی ـــــــ میں نے عبدل کو منع کر دیا اور کہا۔ "میرا جی بھرا ہوا ہے۔ اس وقت کچھ بھی کھا پی نہ سکوں گا۔"

حقیقت یہ ہے میں پیاس سے بے حال ہو رہا تھا مگر ڈیرے پہ پہنچ کر ملک کی حالت دیکھی تو واقعی میری بھوک پیاس مر گئی۔ میں نے لاڈو کو وہیں چھوڑا اور خود سلطانے کی طرف چل دیا۔ اس کا کوٹھا ڈیرے کی مغربی طرف بیریوں کے جھُنڈ کے پاس تھا۔ میں نے گھر کی دہلیز میں قدم رکھا اور ماں جی کے چرن چھوئے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی نہال ہو گئی۔ سُلطانے کے چہرے پر بھی دُکھی سی مُسرت بکھر گئی۔ اس نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہ پہلے سے بہت دُبلا ہو چکا ہے اور اس کے چہرے کی سُرخیوں پہ زردیاں سی چھا گئی ہیں۔ ویسے بھی وہ کچھ کھویا کھویا سا نظر آیا۔ ہم دونوں ٹھارے میں آ بیٹھے۔ میں نے پوچھا۔

"سلطانے ـــــــ! تجھے کیا ہو گیا ہے کہیں بیمار تو نہیں رہا؟"

"نہیں ـــــــ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک ہے؟ اپنا مُنہ بھی شیشے میں دیکھا ہے؟"

"کیوں ـــــــ میرے مُنہ پر پھٹکار برس رہی ہے؟"

اچانک مجھے ایک خیال آیا

"سلطانے! سچ سچ بتا کہیں ملک سے تیرا جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟"

اس نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی۔

"رنگو! تم آتے ہی کیسی باتیں کرنے لگے ہو۔ بابا تو مجھے بیٹے کی طرح چاہتا ہے۔ میں اس سے کیوں لڑنے لگا۔"

"پھر تو اداس کیوں ہے ـــــــ تجھے کیا ہُوا ہے۔ میرا تو خیال ہے تو لمبا بیمار رہا ہے چہرے کی زردی تو یہی کہتی ہے یا پھر ملک سے تیری لڑائی ہو گئی ہے۔ وہ

پر اڑ گیا۔ اس نے کہا۔

"کچھ بھی ہو سلطانا ایک کامے کا لڑکا ہے اسے لڑکی دینے سے برادری میں میری ناک کٹ جائے گی۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔"

ملک نے بہت زور لگایا کسی طرح وہ مان جائے لیکن بے سود ملک اور سلطانا ناکام واپس آ گئے۔ اس صدمے سے ملک کو بھی دھکا لگا۔ وہ سمجھتا ہے چودھری سکندر سیال نے اسے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ جس سے اس کی بہت توہین ہوئی ہے۔ اس عرصے میں چودھری نے اپنی برادری میں ایک سیال لڑکا تلاش کر لیا جو ایک بڑے زمیندار کا بیٹا ہے۔ سنا ہے چودھری اسی مہینے لڑکی کا بیاہ کر دے گا۔ جس دن سے سلطانے نے یہ خبر سنی ہے اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہے۔ ہر وقت اداس اور کھویا کھویا رہتا ہے۔ ملک نے اسے بہتیرا سمجھایا وہ فکر نہ کرے اللہ سائیں نے چاہا تو اسے سیالوں سے بھی اونچے گھرانے میں بیاہے گا اور لاڈو رانی سے زیادہ خوب صورت دلہن لائے گا۔ وہ چودھری سکندر سیال کو بتا دے گا اس نے ملک کو رشتے سے انکار کر کے غلطی کی ہے مگر سلطانے پر تو اس لڑکی نے نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے بس اس کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کا نام سننا بھی نہیں چاہتا اس نے ملک سے صاف صاف کہہ دیا۔

"چاچا —— اگر مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہو تو لاڈو رانی کو بیاہ کر لا دو مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

نہ جانے اس نے ملک سے اور کیا کیا باتیں کیں وہ ایک مرتبہ پھر سیالوں کے چک کی طرف چل دیا اور چودھری سکندر سے ملا۔ اس کا خیال تھا ممکن ہے چودھری اس کی پرانی دوستی کی لاج رکھ لے اور مان جائے اس لیے شگن کے طور پر اپنے ساتھ سونے کے کڑے بھی لے گیا تھا لیکن چودھری سکندر نے پھر انکار کر دیا اور بتایا وہ بیٹی کے بیاہ کی تاریخ مقرر کر چکا ہے۔ اسی چاند کی پندرھویں تاریخ کو برات آ جائے گی۔

یہ جواب سن کر ملک کا دل ٹوٹ گیا۔ اس نے رات ٹھہرنا بھی پسند نہ کیا اور چل دیا۔ ابھی وہ ڈیوڑھی کا دروازہ عبور نہ کرنے پایا تھا کہ اندھیرے میں ایک لڑکی نے

چودھری سکندر سیال ایک بڑا زمیندار ہے اور ملک کا پُرانا یار بھی - انہوں نے ایک رات چودھری کے گھر میں قیام کیا اور دوسرے روز واپس آگئے لیکن معلوم نہیں کس طرح سیال کی جوان لڑکی رابعہ نے سلطانے کو دیکھ لیا اور اس سے ملاقات کی - بس اسی دن سے وہ دونوں ایک دوسرے کو پیار کرنے لگے ۔ سلطانا اس کے بعد بھی دو تین مرتبہ بہانے سے سیالوں کے چک میں جاتا اور چوری چھُپے اپنی لاڈو سے ملتا رہا - لڑکی کا نام تو رابعہ ہے مگر سلطانا اسے لاڈو رانی کہتا ہے - یہ نام اُس نے لاڈو کے پیار کی وجہ سے رکھا تھا - لاڈو رانی بھی اس پر جان دیتی اور کہتی ہے کہ بیاہ کروں گی تو سلطانے کے ساتھ نہیں تو زہر کھالوں گی - دریا میں ڈوب مروں گی - گردن کو ٹوکے سے کاٹ لوں گی - چوڑیاں توڑ کے پھانک لوں گی -

شروع شروع میں تو کسی کو بھی اس واقعے کا علم نہ ہو سکا مگر لاڈو رانی چوں کہ جوان ہے اور چودھری سکندر سیال اس کے رشتہ کی فکر میں ہے اس لیے رابعہ نے سلطانے کو کہلوایا کہ وہ پیغام بھیجے - اب سلطانے نے ملک کو ساری بات بتادی اور درخواست کی وہ اس کے لیے چودھری سکندر سے رشتہ طلب کرے - ملک کو سلطانے سے جو پیار ہے وہ تو تم جانتے ہو، باپ کی طرح چاہتا ہے - چنانچہ دوسرے ہی روز دونوں پھر سیالوں کے چک میں جا پہنچے اور باتوں باتوں میں ملک نے چودھری سے رشتے کی بات چھیڑ دی مگر سلطانے کا نام سُن کر چودھری بھڑک اٹھا اور بولا -

"ملک ——— ! تم ایک کامے کے لڑکے کی خاطر میری بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے ہو - کیا میں اتنا ہی گر گیا ہوں کہ کامے کو لڑکی دے دوں گا ؟"

ملک نے بتایا "سلطانا کھرل جٹ ہے اور اس کا باپ چودھری قربان علی کوئی کمین آدمی نہ تھا - پھر سلطانے کو میں نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور وہی میرے بعد میری جائیداد اور زمینوں کا وارث ہوگا - چودھری کی لڑکی تو دراصل میرے گھر جائے گی"

——— لیکن سکندر سیال اس رشتے پر آمادہ نہ ہو سکا - اگرچہ لاڈو رانی نے بھی ماں کی معرفت اپنے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی اور اپنی پسند سے آگاہ کر دیا مگر وہ ایک بات

رہے ہو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

ملک واپس آ گیا لیکن جس دن سے آیا ہے بے حد پریشان ہے۔ میں اس کی طبیعت کو جانتی ہوں وہ اپنی بات پر مِٹنے والا آدمی ہے۔ وہ لاڈو رانی سے کیا ہوا وعدہ ہر قیمت پر پورا کرے گا۔ میں سلطانے کو بھی جانتی ہوں وہ بھی اپنی جان پر کھیل جائے گا لیکن جب چودھری سکندر ہی نہیں مانتا تو ملک اپنا وعدہ کس طرح پورا کر سکے گا۔ کیا وہ لاڈو رانی کی خاطر سیالوں سے لڑائی مول لے گا؟

●

یہ کہانی سن کر میں ملک اور سلطانے کی اداسی کا سبب سمجھ گیا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے پوچھا۔

"لاڈو رانی کی ماں کیا چاہتی ہے؟"

"میں نے سنا ہے وہ بیٹی کی طرف ہے لیکن چودھری اس کی بھی نہیں مانتا۔"

"پھر تو چودھری سکندر سیال ضرور پاگل ہے۔"

ماں جی مجھے دیکھتی رہ گئی اور میں وہاں سے نکل کر سیدھا ملک کی حویلی پر آیا۔ سلطانا یہیں موجود تھا۔ میں نے جاتے ہی پوچھا۔

"سلطانے ——— ! تو میری دوستی توڑ دینا چاہتا ہے؟"

وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔

"تو نے میرے اور اپنے درمیان ایک عورت کو حائل کر لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تیرا جی مجھ سے بھر گیا ہے۔"

"رنگو! تو میرا جگری یار ہے۔ میں تجھے کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔"

"پھر لاڈو رانی کو چھوڑ دے۔"

میری بات سن کر سلطانا ہکا بکا رہ گیا۔ ایک منٹ خاموش رہ کر وہ بولا۔

"رنگو ——— ! میں تو سمجھتا تھا۔ تو میری مدد کرے گا مگر تو الٹا یاری توڑ لینا چاہتا ہے۔ کیا تو نے کبھی کسی سے پیار نہیں کیا؟"

اس کا راستہ کاٹا جو سیاہ چادر کی بُکل میں آدھا چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔ اس نے ملک کی چادر کا دامن تھام لیا اور بولی۔

" چاچا ــــــــ! مَیں تمہارے سُلطانے کی لاڈو رانی ہوں۔ مَیں نے میاں کا جواب سُن لیا ہے وہ مجھے اپنی ضد پر قربان کر دینا چاہتا ہے لیکن مَیں اللہ اور رسولؐ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کی بہو نہیں بنوں گی۔ میاں بُرا کر رہا ہے "۔

یہ الفاظ سُن کر ملک حیران و ششدر رہ گیا۔ پھر بھی وہ جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے جواب دیا۔

" پُتری ــــــــ! مَیں نے تو اپنی پگڑی بھی چودھری کے پاؤں پر رکھ دی لیکن اس نے میری دوستی کی شرم کی نہ پگڑی کی لاج رکھی پھر بھی مَیں تجھے یہی نصیحت کرتا ہوں، میاں کی عزت سے نہ کھیلنا وہ تیرا باپ ہے "۔

" لیکن میاں تو خود اپنی عزت سے کھیل رہا ہے "۔

یہ کہتے کہتے لاڈو رانی کے آنسو بہنے لگے۔ وہ کہنے لگی۔

" اچھا چاچا ــــــــ! مَیں حکم مان لوں گی۔ تم میرا ڈولا لینے تو نہیں آؤ گے لیکن مَیں التجا کرتی ہوں چاند کی پندرھویں تاریخ کو میرا جنازہ اُٹھانے کے لیے ضرور آنا۔ اگر مَیں سلطانے کی دُلہن نہ بن سکی تو پھر میری شادی موت سے ہو گی "۔

لاڈو رانی نے صاف لفظوں میں ملک کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا اور وہ کانپ اٹھا اسے محسوس ہوا سیالوں کی ڈیوڑھی نے اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

" لاڈو پُتری ــــــــ! مَیں تجھے مرنے نہیں دوں گا "۔

یہ کہہ کر اس نے لاڈو رانی کی کلائیوں میں سونے کے کڑے پہنا دیئے اور وعدہ کیا۔

" اگر میرے بازوؤں میں طاقت ہو گی تو تجھے لے جاؤں گا "۔

لاڈو رانی نے صرف اتنا کہا۔

" چاچا ــــــــ یہ بات یاد رکھنا تم میرے ہاتھوں میں سونے کی ہتھکڑی ڈال چلے

۴

# اِنسان یا دیوتا

سلطانا ڈیرے سے نکل کر خوشی خوشی حویلی کے اندر چلا گیا۔ مَیں حجرے میں آ بیٹھا تھا —— ڈیرے کے پُورب میں ایک کچا کوٹھا تھا جسے حجُرہ کہا جاتا تھا یہاں گھوڑیوں کا ساز و سامان پڑا رہتا۔ مَیں اسی حجرے میں اپنا شغل میلہ کرتا تھا۔ غلام رسول نے یہیں ایک چارپائی بچھا دی اور مَیں نے چھ ہرٹے کے مالٹے کی بوتل نکال لی۔

ملک میرے شغل میلے سے آگاہ تھا۔ مَیں نے چونکہ اسے باپ بنا لیا تھا اس لیے باپ ہی کی طرح اس کی عزت کرتا اور اس کی موجودگی میں اس شغل سے پرہیز کرتا تھا۔ وہ بھی سب کچھ جانتا اور جس روز میں آ جاتا کافی دیر تک حویلی کے اندر ہی رہتا تاکہ مَیں اطمینان سے اپنا نقل جل کر سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ ملک بڑا ہیرا آدمی ہے۔ اس جیسے شاہ دل عزت دار اور کھرے آدمی مَیں نے بہت کم دیکھے ہیں۔

"پیار کے کچھ لگتے، تُو نے مجھ سے لاڈو رانی کی بات چھپائی کیوں؟"

"رسول پاکؐ کی قسم! مَیں خود تجھے سارا واقعہ سُنانا چاہتا تھا مگر پرسوں سے چاچا بہت پریشان ہے۔ اس قدر پریشان کہ کبھی کبھی میرا دِل ڈوبنے لگتا ہے اگر ماں نے تجھے کہانی سنا دی ہے تو اس نے یہ بھی بتایا ہوگا۔ چاچا لاڈو رانی سے وعدہ کر آیا ہے وہ اسے لے جائے گا مگر اس کی شادی میں صرف بیس دن رہ گئے ہیں اور ابھی تک کچھ پتا نہیں کیا ہوگا۔ چاچا کل سے تجھے یاد کر رہا تھا شکر ہے آج تُو آگیا......"

"تو پھر ملک سے جاکر کہہ دے جب تک رنگو زندہ ہے اس کا ہر وعدہ پورا ہوگا۔ چاند کی پندرھویں تاریخ کو لاڈو رانی اس حویلی میں ہوگی۔"

"رنگو ——— !"

سلطانے کے ہونٹوں پر ایک چیخ سی تڑپ گئی اور وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گیا۔ مَیں نے محسوس کیا جذبات کی شِدّت سے میرے گھروپار کا جسم کانپ رہا تھا۔

اس نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھی اور بولا۔

"رنگو! چُپ ہو جا۔ چاچا آرہا ہے"۔

اس کے منہ سے یہ شبد سُن کر مَیں گھبرا گیا ——— جب سے مَیں یہاں آنے اور حجرے میں بیٹھنے لگا تھا ملک نے کبھی ادھر کا رُخ بھی نہ کیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر انجان بنا رہتا اور جب تک مَیں امرت جل سے فارغ نہ ہو جاتا وہ حویلی سے باہر نکلتا نہ ڈیرے پر آتا تھا لیکن آج اس کی خلاف معمول آمد کی خبر نے مجھے پریشان کر دیا۔ مَیں نے جلدی سے بوتل بند کی اور اسے تکیے کے نیچے چھپا لیا۔ گلاس بھی دھو لیا اور اس میں پانی بھر کر روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ——— غلام رسول روٹی اور ترکاری کی چنگیر پہلے ہی چھوڑ گیا تھا اچانک سلطانا بولا۔

"رنگو! چاچے کو سب پتہ ہے۔ بوتل چھپانے سے کیا فائدہ؟"

لیکن مَیں سمجھ گیا تھا۔ ملک نے سلطانے کو محض اس لیے پہلے بھیج دیا تھا کہ اگر مَیں مناسب سمجھوں تو اس کے آنے سے پہلے اپنی بوتل سنبھال سکوں۔ وہ بہت جہاں دیدہ اور عقلمند انسان ہے۔ سب کچھ سمجھنے کے باوجود میرے اور اپنے درمیان ایک پردہ ——— ایک فاصلہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ وہ فاصلہ جو بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان ہمیشہ قائم رہنا چاہیئے۔

●

ملک دُور ہی سے کھنگارتا ہُوا آیا۔ مَیں نے چارپائی کے سرہانے کی طرف اس کے بیٹھنے کی جگہ بنا دی اور خود چنگیر سنبھال کر پائنتی کی سمت کھسک گیا۔ میرے سامنے چنگیر دیکھ کر بولا۔

"میرا خیال تھا تو روٹی کھا چکا ہو گا"۔

مَیں نے پوچھا ——— "ملک جی ——— ! آپ کیسے آ گئے اِدھر؟"

"رنگو!" ملک ایک لمحہ ٹھہر کر بولا ——— "تو نے سلطانے کے ہاتھ کیا سندیس بھیجا تھا"۔

اور میرا یار سلطانا تو لاکھوں میں ایک ہے۔

کنک کی خوشگوار ہوا اور میٹھے مالٹے کی ترنگ میں مَیں سلطانے اور لاڈو رانی کے پیار کے متعلق سوچنے لگا۔ مجھے چودھری سکندر سیال کی بدبختی کا خیال آ رہا تھا جس نے سلطانے جیسے گبھرو کو لڑکی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس قسم کے لڑکے تو ہزاروں میں نہیں ملتے لیکن سلطانے کا باپ چودھری قربان علی اپنے قومی جذبہ کے کارن زمینوں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور بدنصیبی نے اس کھرل جٹ کو ملک اللہ جوایا کا محتاج کر دیا تھا۔ اس لیے چودھری سکندر سیال سلطانے کو کامے کا لڑکا کہہ کر حقیر سمجھتا ہے۔ میرے دل میں چودھری کے خلاف نفرت جاگنے لگی۔ اس نے میرے کھرل یار کی توہین کی تھی ——— میرے منہ بولے پتا ملک اللہ جوایا کی پگڑی کو ٹھوکر ماری تھی ——— اور مجھے مجبور کیا تھا کہ مَیں اسے تھوڑا سا سبق سکھاؤں۔ مَیں نے سلطانے کے ہاتھ ملک کو سندیس بھیج دیا تھا

"چاند کی پندرھویں تاریخ کو لاڈو رانی اس حویلی میں ہو گی"

ماں جی اور سلطانے کے بقول چاند کی پندرھویں تاریخ کو چودھری سکندر سیال کے گھر جنج (برات) آنے والی تھی اور اگر ملک رابعہ کا ڈولا لینے نہ پہنچ سکا تو وہ چوڑیاں کوٹ کر پھانک لے گی ——— زہر کھا لے گی اور چودھری سکندر کے گھر سے ڈولے کی بجائے رابعہ کی ارتھی اٹھے گی ——— ابھی بیس روز باقی تھے اور اس عرصے میں ایک سکندر سیال کیا مَیں پورے جھنگ مگھیانہ کو لوٹ سکتا تھا

چوتھا گلاس پینے کے بعد مَیں نے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی پھر سلطانا حجرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ پہلے کی طرح اترا ہوا تھا۔ حالاں کہ جب مجھ سے رخصت ہو کر حویلی کے اندر گیا وہ ہشاش بشاش تھا۔ مَیں نے اسے غمگین دیکھ کر کہا۔

"سلطانے! اب تو کیوں بجھا بجھا پھرتا ہے۔ مَیں نے کہہ دیا۔ چاند کی پندرھویں کو لاڈو رانی تیرے پاس آ جائے گی ——— کیا تجھے رنگو کے قول پر اعتبار نہیں؟

بدن میں چیونٹیاں سی چلنے لگیں اور میٹھے مالٹے کا نشہ اُترنے لگا۔ میں ہی نہیں سلطانہ بھی دم بخود تھا۔ ملک نے اچانک ایسا انداز اور لہجہ اختیار کیا جو ہم دونوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی اٹھا اور بولا۔

"کیا آپ کو میری تجویز سے اتفاق نہیں ؟"

"رنگو ——— !" ملک نے پھر زہریلے الفاظ اچھالنا شروع کر دیئے۔ "کیا تُو اپنے آپ کو بہت بہادر سمجھتا ہے۔ اگر تو ہماری برچھیوں سے بچ کر نکل گیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں سیال بھی تجھے چھوڑ دیں گے۔ وہ تیرے جسم کی بوٹیاں اُڑا دیں گے اور جب انہیں معلوم ہوگا رابعہ کو میرے ڈیرے پہ لا رہا ہے تو اُن کی گھوڑیاں چاروں طرف سے اس حویلی کو گھیر لیں گی۔"

اب مجھ میں ضبط کی تاب نہ رہی۔ میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

"ملک جی! آپ نے رنگو کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر سیالوں نے مجھے چھو بھی لیا تو سمجھ لینا رنگو کو عورت نے نہیں کسی کُتّی نے جنا تھا۔ میں لاڈو رانی کو یہاں نہ لا سکا تو پھر کبھی بار کے علاقہ میں قدم نہ رکھوں گا ——— آپ مجھے سیالوں سے ڈراتے ہیں جو گھوڑیوں پر سوار ہو کر اس حویلی کو گھیر لیں گے۔ مگر داتگو رو کی قسم! میرے ہوتے ہوئے کوئی مائی کا لال اس ڈیرے پہ تو کیا سرشمیر کی دھرتی پہ پاؤں نہ رکھ سکے گا۔ اگر کسی سورمے نے اِدھر آنے کی جرأت کی تو اپنی موت ساتھ لے کر آئے گا۔ وہ اگر پولیس ساتھ لائے تو بھی اس ڈیرے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ رنگو کا کوئی قول کچّا نہیں ہوتا ———"

"بیٹھ جا ——— بیٹھ جا ——— کُتّا نہ بن ———"

پھر اس نے میرے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا اور میرے ساتھ دوبارہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میرے تیور ابھی تک بگڑے ہوئے تھے۔

"حد ہو گئی۔ آپ نے چودھری سیال سے رشتہ مانگا۔ اس کے پاؤں پر پگڑی رکھ دی لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس نے پرانی دوستی کی لاج نہ رکھی۔ کیا ایسا

مَیں نے اپنا سندیس وہرا دیا۔

"ملک جی! آپ رابعہ سے وعدہ کر آئے ہیں کہ اگر میرے بازوؤں میں طاقت ہو گی تو تجھے لے جاؤں گا اور مَیں نے سلطانے سے یہی کہا تھا۔ جب تک رنگو زندہ ہے آپ کا ہر وعدہ پُورا ہو گا۔ چاند کی پندرھویں کو لاڈو رانی اس حویلی میں ہو گی۔"

ملک نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"تُو نے یہ بھی سُن لیا ہو گا۔ چودھری سکندر نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے پھر رابعہ یہاں کس طرح آ سکتی ہے؟"

"ملک جی! ایسے گھروں سے لڑکیاں کس طرح آیا کرتی ہیں؟"

"اوئے رنگو ——— ! بجھارتیں چھوڑ اور مجھے سیدھی طرح جواب دے تُو نے کیا ترکیب سوچی ہے۔ کیا مَتا (پروگرام) بنایا ہے؟"

مَیں نے جواب دیا ——— "ملک جی! مَیں زیادہ ترکیبیں نہیں سوچا کرتا۔ بیاہ کی رات مَیں سیالوں کے چک میں جاؤں گا اور نکاح خوانی سے پہلے ہی لاڈو رانی کو گھر سے نکال لاؤں گا۔ بے شک یہ مشکل کام ہے۔ سیالوں کی گھوڑیاں اور چھوِیاں میرا پیچھا کریں گی لیکن مجھے یقین ہے کوئی گھوڑی میری لاڈو کی گرد کو بھی نہ چھُو سکے گی اور مَیں رابعہ کو لے کر صبح کی بانگ سے پہلے یہاں پہنچ جاؤں گا۔ چودھری سکندر سیال گھر کی دیواروں سے سر پھوڑتا رہے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا ملک اللہ جوایا کی عزت کو ٹھوکر مارنا کتنا مہنگا سودا ہے۔ سیالوں کی جنج چودھری کی ڈیوڑھی سے ناکام و نامراد لوٹ جائے گی۔"

ملک چُپ چاپ سُنتا رہا پھر یک لخت اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ لالٹین کی روشنی میں اس کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں سی اُڑ رہی تھیں۔ اس نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا ——— "کُتّا ———"

پھر ایک دم کھڑا ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس نے میرے مُنہ پر تھوک دیا ہو۔ مجھے طمانچہ مارا ہو۔ خلافِ توقع یہ سلوک دیکھ کر مَیں حیران و ششدر رہ گیا۔ میرے

"رنگو پتر ——— ! میں چودھری سکندر کو سبق ضرور دوں گا لیکن اسے یہ بھی بتادوں گا۔ یاری کیا ہوتی ہے اور یار کس طرح اپنے یار کی عزت بچاتے ہیں۔ رابعہ میری پتری ہے ——— یہی اس کا گھر ہے۔ وہ یہیں آئے گی لیکن گھر سے بھاگ کر نہیں ڈولے میں بیٹھ کر ——— چودھری سکندر سیال خود اسے رخصت کرے گا۔"

"لیکن یہ کیسے ہوگا؟"

"یہی تو سوچنا ہے ——— پترا ——— !"

یہ کہہ کر ملک اٹھا اور میرا کندھا تھپ تھپا کر بولا۔

"رنگو ——— ! میری یہ بات اپنے سینے پر لکھ لے۔ شریف لڑکیاں مر جاتی ہیں۔ گھر کی چوکھٹ سے باہر نہیں نکلتیں ——— یہی ہمارے پنجاب کی ریت ہے۔"

اچانک مجھ پر انکشاف ہوا میں ملک اللہ جوایا کی بجائے پنجاب کے ایک راٹھ چودھری کے سامنے کھڑا ہوں۔ جسے اپنے دیس کی رسمیں اور دوستی کی ریتیں عزیز ہیں، جو شعلے کی طرح جلتا نہیں لوبان کی طرح سلگتا ہے جو اپنی بے عزتی پر بھی عقل کا دامن نہیں چھوڑتا اور پنجاب دیس کی روایت کو سینے سے لگائے رکھتا ہے واہگورو کی سوگند! اس دن مجھے معلوم ہوا ملک اللہ جوایا ایک دیوتا ہے۔ بہت بڑا بہت اونچا انسان ہے اور سکندر سیال جیسے راٹھ چودھری تو اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ——— پھر خود بخود میرا سر ملک کے سامنے جھک گیا میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور پورے جسم میں ایک عجیب سی کپکپی دوڑ گئی۔ میں نے سر اٹھا کے دیکھا تو ملک جا چکا تھا اور سلطانا میرے پہلو میں چپ چاپ کھڑا تھا ——— گم صم ——— میں نے اس کی طرف دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ میرا ہاتھ اس کے کندھے پر رینگ گیا۔

سلطانے نے غور سے میری طرف دیکھا اور بولا ———

آدمی انتقام سے بچ جائے گا۔ میں اسے سیالوں کی برادری میں ذلیل کر دوں گا۔"

"چوہڑا نہ بن رنگو! چپ کر۔"

میں حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک پل خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

"پہلے میری بات غور سے سُن! میں بزدل اور ڈرپوک نہیں۔ تو نے رابعہ کو اٹھا لانے کی ترکیب بتائی ہے۔ کیا ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے، اگر میں چاہوں تو سلطانے کو بھیج دوں اور یہ اکیلا ہی اپنی لاڈو رانی کو نکال لائے گا۔ رسول پاکؐ کی قسم: بہتّر سیال مل کر بھی میرے شیر پُتر کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور سلطانے کو بھی بھیجنے کی ضرورت نہیں اگر میں رابعہ کو پیغام بھجوا دوں تو وہ خود ہی یہاں پہنچ جائے گی۔"

"تو اس سے اچھی بات اور کیا ہے۔ اس طرح تو چودھری سکندر کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔"

"میں نہیں چاہتا چودھری سکندر سیال ذلیل ہو، لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں اور کہیں ——— یہ ہے وہ راٹھ چودھری جس کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"ملک جی ——— ! چودھری سکندر نے آپ سے کیا سلوک کیا تھا؟"

"اوے رنگو ——— ! اگر چودھری سکندر نے میری دوستی کا لحاظ نہ کیا، میری پگڑی کی لاج نہ رکھی۔ تو کیا تو چاہتا ہے۔ میں بھی اسی کی طرح بے حیا بن جاؤں۔ اس کی عزت کو اپنے پاؤں میں کچلتا اور اپنی بہادری کے ڈھول بجاتا ہوا اس کی لڑکی کو اُٹھا لاؤں؛ پھر چودھری سکندر اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا۔ ہم دونوں کتّے بن جائیں گے ———"

ملک کی زبان سے یہ باتیں سُن کر میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ مجھے محسوس ہونے لگا میٹھے مالٹے کی بجائے میں نے صندل کا شربت پیا تھا۔ وہ میری سمجھ سے بہت اونچا تھا۔ ——— میں نے پوچھا۔

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

سلطانے کو پھر چودھری سیال کی طرف نہ بھیج دیا ہو مگر نہیں معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ اس نے بتایا۔

"میری کچھ زمین جھنگ مگھیانہ میں بھی ہے۔ وہاں ایک نیا قانون گو آیا ہے جس نے انتقال کی کوئی اڑچن نکال دی ہے۔ سُنا ہے جھنگ کا حکیم نندہ بابو اس کا دوست ہے۔ اس لیے سلطانے کے ذریعے اسے بُلا بھیجا ہے۔ نندہ یار دوست ہے۔"

شام کے وقت ملک کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ سلطانا، نندہ بابو کو لے کر آپہنچا میرا خیال تھا معمولی صاحب سلامت ہوگی لیکن حکیم نندہ لال روڑہ جو جھنگ شہر میں نندہ بابو کے نام سے مشہور اور مطب کرتا تھا ملک کو بڑے تپاک سے مِلا اور جلد معلوم ہوگیا۔ ان کے درمیان تو پُرانی دوستی ہے۔ اس نے آتے ہی زمین کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔ ملک نے جواب دیا ——— "آج رات وہ یہیں رہے گا۔ جلدی کا ہے کی ہے کھانے کے بعد اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

پھر میں تو سلطانے کو لے کر حُجرے میں آبیٹھا اور شغل میلا شروع کر دیا اور ملک نندلال کی ٹہل سیوا میں مصروف ہوگیا۔

دوسرے روز مُنہ اندھیرے ہی ملک نے سلطانے کو ساتھ لیا اور نندہ بابو کے ہمراہ جھنگ روانہ ہوگیا۔ غلام رسول کی معرفت وہ میرے لیے سندیس چھوڑ گیا تھا کہ شام کو ہم واپس لوٹ آئیں گے۔ رنگو کہیں واپس نہ چلا جائے لیکن چاند کی پندرھویں میں دِن ہی کِتنے باقی رہ گئے تھے۔ مَیں سلطانے اور لاڈو رانی کے پیار کی کہانی ادھوری چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔ وہ دونوں کافی رات گئے واپس آئے مَیں متّھا ماٹا پی کر سو چکا تھا۔

صبح پتہ چلا جھنگ میں زمینوں کا معاملہ ملک کی مرضی کے مطابق ٹھیک ہو گیا اور اب وہ مطمئن ہے۔ جب مَیں اسے مِلا تو اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی تھی کہنے لگا۔

"رنگو! مَیں زمین کے جھگڑے میں بہت پریشان تھا۔ نندلال نے میری سب پریشانی دور کر دی۔ اس نے قانون گو اور پٹواری کو اپنے گھر بُلا لیا تھا۔ پرانے یار اپنے

"رنگو ــــــــ! تم اپنا موج میلہ کرو۔ اب چاچا یہاں نہیں آئے گا۔ آج وہ بہت پریشان ہے۔ مَیں اس کے پاس جا رہا ہوں، ٹھہر کے آؤں گا۔"

یہ کہہ کر سلطانا بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے نکل گیا اور مَیں نے پھر میٹھے مالٹے کی بوتل نکال لی۔ اس مرتبہ پہلے ہی گلاس کے بعد نشہ تیز ہو گیا لیکن مَیں پیتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ بوتل خالی ہو گئی۔ نہ جانے سلطانا کب آیا ــــــــ صبح جب میری آنکھ کھلی تو مَیں سلطانے کے تھارے میں چارپائی پر لیٹا تھا۔

●

ناشتے سے فارغ ہو کر جب میں ڈیرے پر آیا تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔ یہاں سلطانا نظر آیا نہ ملک۔ میرا خیال تھا وہ حویلی میں ہوں گے۔ آج کل ملک بہت پریشان تھا اور سلطانا زیادہ تر اس کے ساتھ ہی رہتا۔ ساری پریشانی اسی کی وجہ سے تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد غلام رسول کھیتوں سے پٹھے لے کر آ گیا۔ اس نے بتایا ملک تو آج سویرے ہی لائلپور چلا گیا تھا۔ شام سے پہلے آ جائے گا مگر سلطانے کے بارے میں وہ بھی یقین کے ساتھ کچھ نہ جانتا تھا۔ اس کے بقول وہ ملک کے ساتھ ہی ڈیرے سے نکل گیا پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ملک اسے بھی ساتھ لے گیا ہو۔ کیوں کہ زمینوں کا کوئی معاملہ تھا۔

مَیں ایک عجیب سے شش و پنج میں تھا۔ اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ تیسرے پہر ملک واپس آ گیا۔ وہ پہلے سے زیادہ پریشان نظر آتا تھا۔ مَیں نے پوچھا وہ لائل پور کیوں گیا تھا؟ اس نے مختصر جواب دیا اور چپ سادھ لی

"ایک کام تھا پُتر ــــــــ!"

"سلطانا بھی صبح سے غائب ہے۔"

"اسے تو مَیں نے جھنگ بھیج دیا ہے۔"

"کیوں ــــــــ" میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ کہیں ملک نے

لڑکی والوں کا کام ہے ۔ ملک نے جمال کے بارے میں یہ سب باتیں معلوم بھی کر لیں تو کیا فائدہ چودھری سکندر انہیں کبھی تسلیم نہ کرے گا ۔ وہ یہی کہے گا مَیں نے سلطانے کو رشتہ نہیں دیا اس لیے تم میرے جوائی پر الزام لگاتے ہو ۔ پھر آج کل کے زمانے میں بڑے آدمیوں کے عیب کون شمار کرتا ہے ۔ دولت ان کے سب گناہ ڈھانپ لیتی ہے ۔

تھوڑی دیر کے بعد ملک پھر آ گیا کہنے لگا ——— "رنگو ! چند دنوں کے لیے گھوڑی سلطانے کو دے دے ۔ وہی میری پُتری کی ٹہل سیوا کرے گا ۔"

مَیں سمجھ گیا سلطانے کو گھوڑی دینے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے ۔ اب سچ مچ وہ چودھری سکندر سے مقابلے کی تیاریاں کر رہا تھا ۔ مَیں سوچنے لگا ۔ میری تجویز کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں اگر ملک لاڈو رانی کو دیا ہوا قول پورا کرنا چاہتا ہے تو اسے سسرال کے گھر سے اغوا کرنا پڑے گا لیکن وہ اس تجویز کی مخالفت کر چکا تھا ۔ اس کے نزدیک چودھری سکندر لاکھ بُرا سہی پھر بھی اس کا یار تھا اور وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا اس کا یار اپنی بیٹی کے فرار کا صدمہ اُٹھائے ۔ اس کے نزدیک پنجاب کی کوئی شریف لڑکی گھر سے نہیں بھاگ سکتی بلکہ ہیر کی طرح ڈولی میں بیٹھ کر سسرال چلی جاتی ہے ۔ جہاں باپ نے اس کی نسبت طے کر دی ۔ پنجاب میں لڑکیوں کی شادیاں ماں باپ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں مگر مصیبت تو یہ تھی چودھری سکندر کی بیوی بھی اس کی ہم نوا تھی چودھری سمجھتا تھا ۔ جمال بڑے خاندان کا لڑکا سینکڑوں کلّے زمین کا مالک ہے ۔ رابعہ جب رانیوں کی طرح اس گھر میں جائے گی تو جوانی کی اس ٹھوکر کو بھول چکی ہو گی جس نے اسے سلطانے کی طرف متوجہ کر دیا تھا ۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا ۔ اس کی بیٹی سلطانے اور موت میں سے ایک کا انتخاب کر چکی تھی اور ملک اللہ جوایا اس کی کلائیوں میں سونے کے کنگن پہنا کر قول دے چکا تھا کہ اسے موت کے ہاتھوں سے چھین کر لے جائے گا ۔

سہ پہر کے وقت حکیم نند لال روڑہ اچانک آ پہنچا ۔ وہ دیر تک ملک سے سرگوشیاں کرتا رہا ۔ اس کی دوبارہ آمد یقیناً خلافِ توقع اور حیرت انگیز تھی ۔ شام سے پہلے

یاروں کے کام آتے ہیں ۔ مولا سائیں کرے اب رابعہ والی پریشانی بھی دُور ہو جائے ۔"

لیکن یہ بات ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لاڈو رانی والی پریشانی کس طرح دُور ہو گی ۔ یہ ملک نے کچھ بتایا ۔ جب مَیں نے پوچھا تو کہنے لگا ۔ اب تو اٹھارہ دِن رہ گئے ہیں ۔ بس چند ہی دِنوں کے اندر کچھ ہو جانا چاہیئے ۔"

"مگر ہونا کیا چاہیئے ؟"

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور لمبی خاموشی کے بعد بولا ۔

"رنگو ! چودھری سکندر چودھری نور احمد کے لڑکے جمال کو لڑکی دے رہا ہے ۔ مَیں نے سُنا ہے وہ لڑکا ہر دوسرے تیسرے مہینے لاہور جاتا اور پانچ پانچ چھ چھ روز کے بعد واپس آتا ہے ۔ جب سے باپ فوت ہوا ہے اس کی زمینیں بھی بِکنا شروع ہو گئی ہیں ۔ پٹواری کہتا ہے چودھری نور احمد کے مرنے کے بعد وہ اس وقت تک چالیس کِلّے فروخت کر چکا ہے ۔"

"ملک جی ! وہ چالی کِلّے چھوڑ اپنی ساری زمین بیچ دے ہمیں کیا واسطہ ۔"

"اوئے چوہڑے ! کبھی عقل سے بھی کام لیا کر ۔" ملک کا لہجہ بدل گیا تھا ۔ "کبھی تُو نے سوچا ہے باپ کی وفات کے بعد جوان لڑکے کسی اچھے کام پر پیسہ نہیں بگاڑتے وہ لاہور کیا لینے جاتا ہے ۔ ہو سکتا ہے وہ بھی تیری طرح شغل میلا کرتا ہو ۔"

"کرتا بھی ہو گا تو کیا ہے ۔ بڑے بڑے زمینداروں کے لڑکے کرتے ہیں ۔"

یک لخت ملک کھڑا ہو گیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا ۔

"اکیس بائیس سال کا جو لڑکا باپ کی چھوڑی ہوئی زمین بیچ کر شراب پر روپیہ برباد کر رہا ہے ۔ وہ کبھی شریف نہیں ہو سکتا ۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور مَیں سوچتا ہی رہ گیا ۔ آخر ملک کو کیا ہو گیا ہے ۔ وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کرتا رہا ہے ۔ چودھری سکندر سیال کا ہونے والا جوائی اپنی ساری زمین بیچ ڈالے اور روپیہ کسی بنک میں جمع کرا دے یا شراب خانوں میں پھینک آئے ۔ ان باتوں کا اس شادی سے [illegible] قریب ہونے والی تھی پھر لڑکے کے اخلاق و کردار کے متعلق سوچنا

چودھری نور احمد سیال کے لڑکے جمال کو اپنا جوائی بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ نور احمد نے مرتے وقت تیس مربع زمین چھوڑی تھی اور چودھری سکندر کو اس بات پر گھمنڈ تھا۔ اس کی لڑکی سیالوں کے ایسے گھر جائے گی جو مربعوں کا مالک ہے۔ تھوڑے دن ہوئے مجھے پتہ چلا۔ باپ کے مرنے کے بعد جمال دھڑا دھڑ زمینیں بیچ رہا ہے کیوں کہ اسے روپے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا وہ کسی بڑے گاہک کی تلاش میں ہے۔ جس سے وہ موٹی رقم حاصل کر سکے۔ اُسے کم از کم پچاس ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ شادی بیاہ کے لیے تو آٹھ دس ہزار کافی ہوتا مگر پچاس ہزار کی ضرورت یقیناً سوچنے کی بات تھی۔

میں نے حکیم نند لال کی معرفت بات چیت کی اور اس کے اٹھائیس مربعے خرید کر اپنے پُتر سلطانے کے نام لگوا دیے۔ کچہری میں جا کر ہم رقم ادا کر آئے اور قبضہ لے آئے ہیں۔ آج سے چودھری نور احمد کی زمینوں کا مالک اس کا بیٹا جمال نہیں سلطانا ہے۔ میں نے چودھری سکندر سیال کی ایک بات کا جواب دینے کی خاطر ستّر ہزار روپے اپنے شیر پُتر پر قربان کر دیے۔ اب کوئی جا کر چودھری سکندر کو بتا دے۔ جس کھرل جٹ کو تُو نے کامے کا لڑکا کہہ کر رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کنگلے نے تیرے ہونے والے جوائی کو خرید لیا اور سیالوں کو ان مربعوں سے بے دخل کر دیا جن کے عوض تُو نے اپنی بیٹی کا سودا کیا تھا۔"

سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

ملک نے سلطانے کو اپنا مُنہ بولا بیٹا ضرور بنا لیا اور اس سے محبت بھی کرتا تھا لیکن کسی آدمی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ زندگی ہی میں اپنی دولت سلطانے پر قربان کر دے گا اور چودھری سکندر کے غرور کا سر اس طرح توڑے گا کہ جھنگ مگھیانہ کے پورے ضلع میں اس کے قصے مشہور ہو جائیں گے۔ اس نے کہا۔

"میرے مرنے کے بعد سلطانا ہی میری زمینوں کا وارث ہے مگر میں نے سوچا کیوں نہ زندگی ہی میں اپنے شیر پُتر کو جلوہ دکھا دوں۔ میرے مرنے کے بعد یہ مجھے یاد تو رکھے گا۔"

ہی وہ واپس جا رہا تھا ۔ سویرے ملک اور سلطانا پھر جھنگ روانہ ہو گئے ۔ مَیں نے سنا زمین کے لیے عدالت میں ان کی پیشی بہت ضروری ہے ۔ نندہ بابو یہی پیغام لے کر آیا تھا ۔ شام کے وقت جب وہ دونوں واپس آئے تو اُن کے چہرے چمک رہے تھے ۔ ملک ایک عرصہ کے بعد اپنے ڈیرے میں بیٹھا ۔ سب لوگ اس کے گرد جمع تھے ۔ جس طرح وہ ہمیشہ اس کے پاس بیٹھتے تھے ۔ ملک ، سلطانے اور میرے علاوہ سارے بائیس آدمی تھے ۔ وہ بہت خوش نظر آتا تھا ۔ مَیں نے کئی دِن کے بعد اس کے چہرے پر لالی دیکھی تھی ۔ ایک بند ٹوکری اس کے سامنے رکھی تھی ملک نے بسم اللہ کہہ کر ٹوکری کھولی ۔ کاغذ ہٹائے ۔ وہ بُوندی کے لڈوؤں سے بھری پڑی تھی ۔ اس نے اپنے ہاتھ سے سب آدمیوں میں لڈو تقسیم کیے اور نصف ٹوکری غلام رسول کے حوالے کر کے ہدایت کی اسے ڈیرے کے گھروں میں بانٹ آئے ۔ سب لوگ خوش بھی تھے اور حیران بھی ۔ کوئی نہ جانتا تھا ۔ یہ لڈو کس خوشی میں تقسیم کیے جا رہے ہیں ۔ مَیں نے پوچھا ۔

" ملک جی ——— ! یہ لڈو کیسے ہیں ۔ کیا چودھری سکندر راضی ہو گیا ۔"

" نہیں پُترا ——— ! وہ ابھی تک اپنی ضد پر قائم ہے لیکن مَیں نے چودھری کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی ہے ۔"

ابھی تک کسی شخص نے لڈو چکھا بھی نہیں تھا ۔ سب منتظر تھے ۔ اس خوشی کی وجہ معلوم ہو تو مُنہ میٹھا کریں ۔ ملک کہنے لگا ۔

" ڈیڑھ مہینہ پہلے کی بات ہے مَیں نے سلطانے کے لیے چودھری سکندر کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا وہ میرا پُرانا یار ہے اور یہ بھی جانتا تھا سلطانا ہی میرا وارث اور میرا سب کچھ ہے ۔ مجھے اُمید تھی وہ انکار نہ کرے گا لیکن اس نے میرے شیر پُتر کو کامے کا لڑکا کہہ کر رشتہ دینے سے انکار کر دیا ۔ مَیں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ ایک ہی بات پر اَڑ گیا ۔ رسول پاکؐ کی قسم ! اس دِن میرے دِل کو اتنا دکھ ہُوا کہ مَیں بیان نہیں کر سکتا ۔ سلطانا کھرل جٹ ہے مگر چودھری سکندر بار بار اسے کاما کہہ کر دِل دُکھا رہا تھا ۔ اس نے سلطانے کو نہیں مجھے رشتہ دینے سے انکار کیا اور

ہے ۔ اتنی دیر میں عبدل دودھ کا گلاس لے کر آ گیا اور سلطانے کی طبیعت بحال ہو گئی ۔ ملک میری طرف دیکھ کر بولا ۔

' رنگو ! دیکھا تو نے اِس کتّے نے ہمیں کتنا پریشان کیا ہے ۔'

پھر اس نے سب لوگوں کے ساتھ مِل کر مُنہ میٹھا کیا ۔ لوگ لڈّو کھا رہے تھے اور آپس میں سرگوشیاں بھی کر رہے تھے ۔ اس اثنا میں ملک کی بیوی بھی پریشان حال بھاگی بھاگی آئی ۔ اس نے گھونگھٹ نکالی رکھا تھا اور دُور ہی سے بولتی آ رہی تھی

" کیا ہُوا ہے سلطانے کو ——— کہاں ہے میرا پُتّر ؟"

سلطانا جلدی سے اُٹھا اور لپک کر چاچی سے لپٹ گیا جو کچھ فاصلے پر رُک گئی تھی ——— " چاچی ! مجھے چکّر آ گیا تھا ۔ اب میں ٹھیک ہوں ۔"

اُس نے سلطانے کا ماتھا چُوما اور بولی ——— " دُور بلائیں ——— ردّ بلائیں پُتّر ! مولا سائیں فضل کرے ۔"

ملک ہنستے ہوئے لہجے میں بولا ——— ' تیرے پُتّر کے سینے میں چڑی کا دِل ہے ۔ یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی ۔ کتّا گبھرو بنا پھرتا ہے ۔"

سلطانا تیزی سے پلٹا ۔ " چاچا ! میرے سینے میں شینہہ (شیر) کا دِل ہے کسی دِن تجھے دکھا دوں گا ۔"

" اچھا اچھا دیکھ لوں گا تو کتنا سورما ہے ۔" پھر وہ بیوی سے مخاطب ہُوا ۔

" تیرا لاڈ پیار اسے خراب کر دے گا ۔ جا گھر جا ۔ تُو کیوں بھاگی آئی ۔"

ملکانی چُپ چاپ واپس چلی گئی ۔ سلطانا حویلی تک اس کے ساتھ ہی گیا پھر لوٹ آیا ۔ ملک نے اپنے آدمیوں میں سے پانچ آدمی چُنے اور سلطانے سے کہنے لگا ——— " تو انہیں لے کر کل سویرے ہی نئے مربعوں پر چلا جا ۔ دو دن کے بعد میں اور رنگو بھی آئیں گے اور دیکھ جو لوگ وہاں کام کرتے ہیں انہیں پیار سے اپنا بنا لے ۔ فصل ہمیں کاٹیں گے ۔ جھنگ سے حکیم نند لال کو بھی ساتھ لے لینا ۔ وہ کئی لوگوں کو جانتا ہے ۔ تیری جان پہچان کرا دے گا ۔"

اچانک سلطانا ملک کی گود میں گر پڑا۔ اس کے ہونٹوں سے بس "چاچا" کی ایک آواز نکلی تھی پھر اسے اپنی کوئی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ ملک نے جلدی سے اس کا سَر اُٹھایا، لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جلدی سے اٹھا کر اسے چارپائی پر لٹایا اور مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ ملک کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ سلطانا تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آگیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں ملک کے چہرے پر گاڑ دیں اور ملک نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"پُتّر! تُجھے کیا ہُوا ہے؟"

اس کے جواب میں سلطانے کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا اور وہ روتا ہُوا ملک سے لپٹ گیا۔ "چاچا! میرے سامنے اپنی موت کی باتیں نہ کیا کر ——— تُو مر گیا تو مَیں کیا کروں گا"۔

"کُتّا! مَیں نے پیار سے اس کے آنسو پونچھ دیے۔

سلطانے کی بے ہوشی کا ذکر سُن کر ماں جی بھی بھاگی آئی تھی۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ ملک نے اٹھائیس مربعے اس کے بیٹے کے نام لگوائے ہیں۔ فرطِ جوش میں وہ بھی رو رہی تھی۔ اس نے بیٹے کو صحیح سلامت دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھا اور کہنے لگی۔

"مجھے کیا خبر یہ دونوں کیا کرتے پھرتے ہیں۔ انہیں اللہ رکھے، سائیں رکھے"۔

اُس نے سلطانے کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ مَیں ابھی گرم گرم دودھ بھیجتی ہوں"۔

پھر وہ عبدل کو ساتھ لے کر ہَوا کے جھونکے کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی لوٹ گئی۔

سلطانا اب چارپائی پر بیٹھا تھا اور ڈوکامے اس کے کندھے اور بازو دبا رہے تھے در اصل اسے شادیٔ مرگ ہو گیا تھا۔ جسم کا کمزور ہوتا تو شاید دوبارہ ہوش میں نہ آتا۔ یہ دورہ اچانک ہی پڑتا اور جان لے کر ٹلتا ہے۔ ملک بے طرح پریشان اور بار بار پوچھتا تھا ——— "پُتّر! اب کیسی ہے تیری طبیعت؟"

سلطانے نے بتایا وہ نہیں جانتا اچانک اسے کیا ہو گیا تھا لیکن اب وہ بہتر

سکتا ہے جہاں دوسرے نہیں جا سکتے "

مَیں نہیں جانتا تھا۔ ان باتوں کا اصل معاملے سے کیا تعلق ہے۔ ملک نے جمال کے مربعے خرید لیے بہت اچھا کیا اور چودھری سکندر کے مُنہ پر ایک جُوتا مار دیا لیکن اب وہ جمال کا کھوج کیوں لگانا چاہتا ہے ؛ بہرحال مجھے اس کے حکم سے انکار نہ تھا۔ اس نے سو سو کے پانچ نوٹ میری جیب میں ڈال دیئے اور بولا۔

" یہ تیرا لاہور کا خرچہ ہے لیکن موج میلے میں نہ رہنا بس پرسوں دوپہر کو مَیں تیرا انتظار کروں گا "

مَیں نے نوٹ واپس کر دیئے اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔

" پُتر ——— ! تُو مجھے اپنا باپو نہیں کہتا۔ پھر خرچہ کیوں واپس کرتا ہے ؛ "

ملک کی ہر بات انوکھی تھی ——— صبح مُنہ اندھیرے سلطانا لاڈو پر سوار ہُوا اور پانچ آدمیوں کے ساتھ جھنگ کی طرف چل دیا۔

ملک نے چپکے چپکے ہی جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ چودھری سکندر کے مُنہ پر ایک طمانچہ تھا۔ اس نے جمال کو بڑے گھر کا لڑکا سمجھا تھا لیکن اب مجھے اس کے چال چلن پر بھی شبہ ہونے لگا۔ ملک کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ جمال نے ضلع کچہری سے رقم لے کر سیدھا اسٹیشن کا رُخ کیا اور لاہور کے ٹکٹ بنوائے تھے تین آدمی اس کے ساتھ تھے۔ ایک تو شکل وصورت ہی سے شہدا اور لفنگا معلوم ہوتا تھا۔

میں حجرے میں جا کر بیٹھا تھا کہ ملک بھی آگیا۔ شکر ہے ابھی میں نے بوتل نہیں نکالی تھی۔ اس نے کہا —— "رنگو! میں چاہتا ہوں تو سویرے ہی لاہور چلا جائے اور معلوم کرے رد پیہ لے کر جمال کہاں جاتا اور کیا کرتا ہے"؛

ملک کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"پر ملک جی! لاہور اتنا بڑا شہر ہے۔ مجھے کیا معلوم وہ کہاں ہوگا۔ میں اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں گا؟"

ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ نند لال نے اس کے ایک ساتھی سے معلوم کر لیا تھا۔ جب وہ لاہور جاتا ہے تو "ویرا ہوٹل" میں ٹھہرتا ہے۔

پھر اس نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکالی اور میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"یہ جمال کی تصویر ہے۔ تو اسے آسانی سے پہچان لے گا"۔

"بیاہ کے دن قریب ہیں ہو سکتا ہے بیاہ کے کپڑے اور گہنے لینے گیا ہو۔ اس کے پیچھے پھرنے اور وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ میری تو صلاح ہے آپ جمال کو گولی ماریں اور لاڈو رانی کی فکر کریں"۔

"نہیں رنگو —— ! یہ بہت ضروری ہے۔ تو جب پرسوں واپس آئے گا تو ہم اکٹھے سلطانے کی زمینوں پر چلیں گے۔ میں یہ کام صرف اس لیے تیرے سُپرد کر رہا ہوں کہ تُو نے دُنیا دیکھی ہے اور ایسے ٹھکانوں پر بے خطر جا

میرے دل میں خُندک سی لگ رہی تھی کہ رنگو نہ جانے کون سی پُراسرار بات سنانے والا ہے جس کے لیے مجھے اُٹھا دیا گیا۔ میرا اشتیاق پہلے سے بھی دو چند ہو گیا کہ کسی طرح رنگو کی بات ضرور سننی چاہیے۔ ہولے ہولے چلتا مَیں حویلی میں آ گیا جہاں رنگو کی گھوڑی لاڈو بندھی چارہ کھا رہی تھی۔ پھر جس طرح رنگو کو ملک کی حویلی سے لاڈو کو اڑا لے جانے کی ترکیب سُوجھ گئی تھی اُسی طرح رنگو کی بات سُننے کی تجویز میرے ذہن میں آ گئی۔

ڈیوڑھی کا دریچہ جہاں رنگو کا بستر بچھا تھا۔ حویلی میں کھلتا تھا اور مَیں اس دریچے کے نیچے بیٹھ کر ہر وہ گفتگو سُن سکتا تھا جو ڈیوڑھی میں دو آدمیوں کے درمیان ہوتی۔ مَیں بھیرا بن کر چوپاؤں کی طرح دو ہاتھوں اور دو ٹانگوں پر چلتا چھُپ چھُپ کر رینگتا ٹھیک دریچے کے نیچے آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میری خوش قسمتی کہ کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ بے شک مَیں چوری چھپے باتیں سُننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رنگو کی کہانی اتنی دل چسپ تھی کہ مَیں اس کی رُوداد کا ایک ایک لفظ اپنے حافظے میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا اور جناب! یہ میرے حافظے کی خُوبی ہے، مجھے اپنے لڑکپن کے واقعات اور رنگو کی داستان اچھی طرح یاد ہے جسے مَیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ رنگو تم سے ملے اور اس کی کہانی سُنے کم و بیش بیس اکیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کل کی بات ہو ——— بالکل کل کی ——— آہ! وقت ایک تیز رو پرندے کی طرح کس تیزی کے ساتھ اڑا جا رہا ہے۔

دریچے کے نیچے بیٹھ کر مَیں نے رنگو کی آواز سُنی وہ کہہ رہا تھا ———

"چودھری جی! اس قسم کی باتیں دُنیا میں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ گناہ ——— بے حیائی ——— اور بے شرمی کی باتیں ہم لوگ بڑے فخر کے ساتھ بیان کرنے کے عادی ہیں لیکن واہگورو کی قسم! اِس گھر میں بیٹھ کر نہ جانے میری زبان گونگی کیوں ہو جاتی ہے۔ مَیں نے بچّے کو صِرف اس لیے اُٹھا دیا ہے کہ اس کی موجودگی میں شاید مَیں ایک لفظ بھی بیان نہ کر سکتا ——— مَیں آپ کو گورو دیو کے متعلق بتا رہا تھا تو گورو دیو کی کہانی کچھ ایسی ہی شرمناک سی ہے۔

## ۵

# گُورو دیو

○

ٹلک سے رخصت ہو کر میں نے لاہور کا رُخ کیا اور شام کی گاڑی سے لاہور پہنچ گیا۔ میں کئی مرتبہ لاہور آیا تھا اور یہاں میرے کئی سنگی بھی تھے لیکن میں عموماً گورو دیو کا مہمان ہُوا کرتا تھا۔ "گورو دیو" لاہور کی ایک مشہور مذہبی شخصیت کا نام ہے اور میں آپ کو اس کے متعلق ضرور بتاؤں گا کیوں کہ یہ آدمی بڑا ہی یاروں کا یار اور اپنے دوستوں کو خوب عیش کراتا ہے"۔

اتنا کہہ کر رنگو مہتم تھوڑی دیر کے لیے رُک گیا اور بار بار میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے والد صاحب کی طرف دیکھا اور کہا۔

"چودھری جی! یہ ابھی بالک ہے اور بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں....."

والد صاحب نے مجھے اشارہ کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا جاؤں کیوں کہ لاڈو کی کہانی تو ختم ہو چکی ہے۔ رنگو جب دوبارہ وہ کہانی سنائے گا تو میں تمہیں آواز دے کر بلالوں گا ——— چنانچہ میں بادلِ نخواستہ اٹھا اور باہر آ گیا لیکن اب

پاپ اور شراب میں بیتا ہے۔ واہگورو مجھے معافی دے۔

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ ایک رات میں نے اپنے ایک ساتھی دیوی دیال کے ساتھ مِل کر راجے سانسی کے راٹ جٹ کے گھر ڈاکہ ڈالا۔ اس کے اکلوتے لڑکے کی شادی تھی اور اپنی بہو کے لیے سردار نے امرتسر کے صرافوں سے بڑا گہنا خریدا تھا۔ میں اور دیوی دیال دو تین روز پہلے جا کر اس کی حویلی کو دیکھ آئے تھے۔ اس رات جب بہو گھر میں آ گئی میں نے قسمت آزمائی اور دیال کو باہر کھڑا کر کے خود حویلی میں اُتر گیا۔ ہزاروں روپے کا گہنا ہاتھ لگا مگر ٹھیک اس وقت جب میں حویلی سے نکل رہا تھا۔ سردار نے مجھے دیکھ لیا اور بندوق چلا دی۔ ساون بھادوں کے دن تھے اور لوگ باہر کھُلی ہَوا میں سویا کرتے تھے۔ مجھے یہ معلوم تھا سردار کے پاس بندوق ہے لیکن یہ علم نہ تھا وہ بندوق اپنی چارپائی پر لے کر سوتا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کا نشانہ چوک گیا اور میں ایک ہی چھلانگ میں حویلی کی اونچی دیوار پھاند کر باہر آ گیا۔ گولی کی آواز سُن کر دیوی دیال بھی گھبرا گیا جو پستول لے کر سامنے کے درخت پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے دیوار پھلانگتے دیکھ کر وہ بھی درخت سے کودا اور ہم دونوں باؤلی کی طرف بھاگے۔ راجے سانسی کے پُورب کی طرف کوئی آدھے کوس پر چھوٹی اینٹوں کی ایک پُرانی باؤلی ہے لوگوں کے نزدیک وہ جگہ پکّی اور بھوت پریت کا مسکن ہے اس لیے کوئی دِن کے وقت بھی اُدھر کا رُخ نہیں کرتا۔ ہم اپنی گھوڑیاں اسی باؤلی پر باندھ آئے تھے۔

گولی چلنے سے یوں تو آدھا راجے سانسی جاگ اُٹھا تھا مگر حویلی میں خُوب افراتفری مچ گئی تھی اور سردار کے ساتھ کئی لوگ ہمارے پیچھے بھاگ نِکلے تھے جیسا میں نے بتایا ہے وہ ایک راٹ جٹ تھا اور اس کے بیٹے کے بیاہ پر بڑے بڑے چودھری جٹ اور سردار آئے ہوئے تھے۔ ان میں سردار جوگندر سنگھ تھانیدار بھی تھا۔ جو ان دنوں رام باغ (امرتسر) کے تھانے میں متعین اور راٹ جٹ کا پُرانا دوست تھا۔ جب وہ بندوق لے کر میرے پیچھے بھاگا تو تھانیدار جوگندر سنگھ بھی پستول کی پیٹی اُٹھا

وہ دراصل لاہور کے مشہور سناتن دھرمی ہندوؤں کا ایک سنت مہنت اور سیتلا مندر کا پجاری ہے ۔ اس کا اصل نام سنت بلدیو گری ہے ۔ سیتلا مندر لاہور کا ایک مشہور سناتن دھرمی مندر ہے جو شاہ عالمی اور لوہاری دروازے کے درمیان ٹھیک سڑک (سرکلر روڈ) پر واقع ہے ۔ اگر آپ کبھی لاہور گئے ہیں تو آپ نے لوہاری، انارکلی کی طرف جاتے ہوئے اس مندر کو ضرور دیکھا ہوگا ۔ جس کے دروازے کے سامنے پیپل کا ایک درخت کھڑا ہے ۔ مندر کی مغربی جانب سے میو ہسپتال کو سڑک جاتی ہے ۔ جس کے سرے پر ایک مشہور چھاپہ خانے گیلانی پریس کا دفتر ہے ۔

رنگو سیتلا مندر کا محل وقوع بیان کر رہا تھا کہ میرے والد کہنے لگے "مجھے یاد آ گیا ہے ۔ وہ مندر مَیں نے بھی دیکھا ہے ۔ اس کے سامنے ایک راستہ شاید چوک متی کو جاتا ہے ؛"

"بالکل وہی چودھری جی!" رنگو کہنے لگا ——— "مَیں ابھی چوک متی کا ذکر کرنے ہی والا تھا ۔ آپ نے تو میرے مُنہ کی بات پکڑ لی ۔ سیتلا مندر دیکھنے کو تو ایک معمولی مندر ہے لیکن کیا بتاؤں لاہور میں اس کی ٹکّر کا شاید ہی کوئی مندر ہو اس کی پچھلی طرف ایک بہت بڑی سرائے ہے جسے مُول چند کی سرائے کہتے ہیں ۔ آج کل وہاں لاریوں کے اڈّے بن گئے ہیں اور کوڑ کباڑ بھرا رہتا ہے ۔

آپ حیران ہوں گے مجھ جیسے بدنام آدمی کا مندر کے ایک مہنت سے یارانہ کس طرح ہو گیا کیوں کہ مندر، مسجد اور گورودوارے کے رستے تو واہگورو، اللہ اور ایشور کی طرف جاتے ہیں اور جس راستے پر مَیں چل رہا تھا وہ بالکل اُلٹی طرف جاتا ہے ۔ آپ تو جانتے ہیں میری ساری زندگی چوری، ڈاکے اور بُرے کاموں میں گزری ہے اور ماجھے کا بچّہ بچّہ میرے نام سے واقف ہے ۔ پولیس نے کئی دفعہ مجھے پکڑنے کی کوشش کی لیکن قسمت اچھی تھی مَیں صاف بچ کر نکل جاتا رہا ۔ اب تو ملک اور سلطانے کی ماں نے جسے مَیں ماں جی کہتا ہوں میری زندگی ہی بدل دی ہے ۔ لیکن پچھلا جیون تو

میں نالے کے ساتھ ساتھ ہمیں دو گھوڑ سواروں کی پرچھائیں نظر آئیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہیں یہ ہماری ہی گھوڑیاں نہ ہوں —— دوڑتے دوڑتے میں نے ایک سوار پر فائر کیا اور للکارا مارا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دوسرا گھوڑا پیچھے رہ گیا۔ ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ بے سوار تھا۔ پچکار کر پکڑ لیا۔

واقعی وہ میری گھوڑی تھی۔ چور دوسری گھوڑی لے کر اجنالے کی طرف نکل گیا تھا۔

اس حالت میں گھوڑی کا مل جانا قسمت کی خوبی تھی۔ ہم دونوں سوار ہوئے اور اس کی باگ پُورب کی طرف موڑ دی "وار" کے آدمی دو حصّوں میں بٹ کر اجنالے کی طرف بھاگے جدھر گھوڑی چور بھاگا تھا۔ اب وہ ہماری بجائے گھوڑی چور کا پیچھا کر رہے تھے۔

صبح کے اُجالے میں ہم لاہور کے قریب پہنچ چکے تھے۔ لاہور کے محلّہ رام گلی میں دیال کا ایک رشتہ دار امر چند لوکو کارخانے میں فٹر کا کام کرتا تھا۔ دیال مجھے ساتھ لے کر رام گلی میں آ گیا۔ امر چند نے ہمارا سواگت کیا۔ پُوری کچوری سے ناشتہ کرنے کے بعد ہم دوپہر تک سوتے رہے۔

صرافہ بازار میں دھرم کانٹے والے صراف لالہ پیارے لال کے پاس تمام گہنا بیچ دیا گیا۔ آٹھ ہزار کا مال بڑی مشکل سے سوا چھ ہزار میں بِکا۔ ایک تو جسم ابھی تھکا ہُوا تھا۔ دوسرے ہم دونوں امرت جل بھی پینا چاہتے تھے اس لیے امر چند سے رخصت لی۔ دیوی دیال کہنے لگا۔

" گورو دیو کے پاس آٹھوں پہر امرت جل رہتا ہے وہیں چلتے ہیں۔"

" گورو دیو کون ؟ "

مَیں ابھی تک لاہور کے اس مہان پُرش سے نہ مِلا تھا۔ دیال مسکرا کر بولا۔

" اُستاد ! گورو دیو آدمی نہیں ہیرا ہے ہیرا "

" مگر وہ ہے کون —— رہتا کہاں ہے ؟ "

کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

راجے سانسی کے پُورب میں چری اور کماد کے کھیت تھے ہم دونوں کھیتوں میں چھپتے اور فصل کو روندتے ہوئے "باؤلی" پر جا پہنچے لیکن گھوڑیاں موجود نہ تھیں۔ ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کسی نے موقع سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا اور جس وقت ہم قصبے میں تھے دونوں گھوڑیاں کھول کر لے گیا یعنی چوروں کو مور پڑ گئے تھے۔

رات کے اندھیرے میں بیس بائیس آدمیوں کی "وار" ہمارے پیچھے تھی۔ جس میں ایک دونالی اور ایک سرکاری پستول بھی تھا۔ ہمارے پاس دو پستول اور تیس پینتیس فالتو گولیاں بھی تھیں لیکن گھوڑیوں کا سہارا ٹوٹ جانے سے جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ دیال بُری طرح گھبرا گیا اور بولا۔

"اُستاد! اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ ہم اجنالہ کی طرف بھاگ نکلیں۔ اس طرح بچ سکتے ہیں۔"

مَیں نے اس کا بازو پکڑ لیا ——— "میرے پیچھے چلے آؤ اور گھبراؤ نہیں۔ تمہارا کوئی پاؤں سُست نہیں پڑنا چاہئیے۔"

دیال بڑے مضبوط دل اور کسرتی جسم کا جوان تھا مگر کسی قدر موٹاپے کی وجہ سے زیادہ تیز نہ دوڑ سکتا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے مَیں دوڑتے وقت ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہوں۔ خطرہ صِرف دیال کا تھا لیکن میری ہلاشیری دِلانے پر وہ بھی ہَوا ہو گیا ——— "موت کی وار" سَر پر آ پہنچی تھی اور تھانیدار جوگندر سنگھ نے ہَوائی فائر کر کے ہمیں للکارا تھا کہ رُک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔

مَیں نے ایک کھیت کی منڈیر کی اوٹ میں لیٹ کر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے اور دیال کو لے کر ایک نالے میں اُتر گیا۔ ہمارا پیچھا کرنے والے صِرف ڈیڑھ دُو سو قدم پر تھے لیکن فائروں کی آواز سُن کر وہ یک لخت رُک گئے۔ اب اندھا دُھند پیچھا کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور وہ ہمیں دائیں بائیں سے گھیرنے کے لیے دُو ٹولیوں میں بٹ رہے تھے۔ اتنی دیر میں ہم نالہ پار کر کے دُور نکل گئے۔ اچانک اندھیرے

"سناؤ درگا! کیا حال ہے؟"

وہ بے ہنگم آواز میں بولا۔ "بھگوان کی دیا ہے"۔

"گورو دیو کہاں ہیں؟"

"وہ ایک کام سے ذرا گوالمنڈی تک گئے ہیں ابھی آجائیں گے۔ کیا کمرہ کھول دوں بیٹھو گے؟"

"ہاں یار! گورو دیو سے ملنا بہت ضروری ہے"۔

پھر موٹا آدمی مجھے گھورتا ہوا اٹھا اور دروازے کی کنڈی کھولنے لگا وہ بہت ہی موٹا اور بے ڈول تھا میری طرف دیکھ کر اس نے دیال سے پوچھا۔

"کیا سردار جی بھی بیٹھیں گے؟"

"ہاں بھئی! یہی تو گورو دیو سے ملنے آئے ہیں"۔

مَیں نے محسوس کیا۔ موٹے کو میرا آنا اور کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنا بُرا لگا ہے لیکن وہ یہ سوچ کر چپ رہا شاید میں گورو دیو کا کوئی خاص آدمی ہوں۔ مَیں نے دیال سے پوچھا "کیا یہ سنت جی کا نوکر ہے"؟

"نوکر ہی سمجھو۔ سالا خوب کھاتا پیتا ہے یہاں سے"۔

پھر دیال نے بتایا۔ وہ درگا موٹا کے نام سے مشہور اور ایک چھاپہ خانہ میں نوکر ہے۔ بہت موٹا اور ایک تماشا ہونے کی وجہ سے اس نے ایک دو فلموں میں کام بھی کیا ہے۔

چودھری جی! اگر آپ نے کبھی فلم دیکھی ہے میرا مطلب ہے لاہور کی بنی ہوئی فلم تو آپ نے درگا موٹا کو ضرور دیکھا ہوگا۔ آج کل وہ مشہور ایکٹر ہے اور فلموں میں کام کرتا ہے۔ جب مَیں نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا اس وقت وہ کسی پریس میں نوکر تھا اور سنت بلدیو گری کی مہربانی سے مندر کے ایک کمرے میں پڑا رہتا تھا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ وہ گورو دیو کے کئی بھیدوں سے واقف تھا اور گورو دیو اسے انعام واکرام دیتا رہتا تھا۔

"سیتلا مندر کا سنت بلدیو گری"۔

دیال کی زبان سے سیتلا مندر اور ایک مہنت کا نام سُن کر میں ڈھور بھورا سا ہو گیا ——— "کیا بکتے ہو یار! ایک مہنت کو امرت جل سے کیا کام۔ پھر ہم جیسے لوگوں سے اس کا کیا واسطہ؛ کہیں اُلٹے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں"۔

"نہیں اُستاد! پرماتما نے لاہور نگری میں ایک ہی گورو دیو پیدا کیا ہے۔ وہ مندر کا مہنت ضرور ہے لیکن بڑا یار باش اور رنگیلا آدمی ہے۔ تم اس سے مل کر خوش ہو جاؤ گے۔ پھر جو امرت جل اس کے پاس ملے گا۔ سارے لاہور میں کہیں نہیں مل سکتا"۔

"دیال! میری بات مانو میٹھا مالٹا کی دو بوتلیں لے آؤ۔ ہیرا منڈی چلتے ہیں شغل میلا بھی ہو جائے گا۔ بھلا ایک مہنت کے پاس کیا رکھا ہے"۔

"وہ لاہور کا راجہ اندر ہے استاد!۔ ہیرا منڈی کو بھول جاؤ گے۔ اس کے پاس بڑھیا سے بڑھیا ولائتی امرت جل ہوتا ہے"۔

سیتلا مندر کے مہنت بلدیو گری کے بارے میں اتنا کچھ سُن لینے کے بعد میرے دِل میں اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

"اچھا یار! جہاں تم لے چلو مجھے تو پیاس لگ رہی ہے"۔

"پیاس وہاں جاتے ہی بجھ جائے گی"۔

پھر دیال نے ایک تانگہ لیا اور ہم شاہ عالمی سے گزر کر سیتلا مندر کے سامنے پہنچ گئے۔ شام ہونے والی تھی۔ دیال مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک کمرے میں جا گھسا اور تنگ سی سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آیا۔ سامنے کمرے کے باہر چھت کے شہ نشین پر ایک موٹا آدمی پاجامہ اور گندی سی بنیان پہنے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا وہ اس قدر موٹا تھا کہ اس کے بدن پر چھوٹا سا سر بہت عجیب لگ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ لینے کے باوجود اس نے کوئی حرکت نہ کی اور "بِٹر بِٹر" دیکھتا رہا۔ دیال بڑی بے تکلفی سے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

پھر اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "سردار جی تیرے ساتھ ہیں؟"

"گورو دیو! تم اسے نہیں جانتے؟"

"کون ہے؟" اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

"کیا گورو دیو نے رنگو مہتم کا نام نہیں سُنا؟"

"رنگو مہتم ——— ؟"

اور سنت بلدیو گری اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا ——— "اچھا تو یہ رنگو مہتم ہے ——— بڑا نام ہے اس کا تو ———"

"گورو دیو! رنگو تمہاری سیوا میں آیا ہے۔ اُستاد کو تم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔"

"اچھا ——— اچھا ——— جو سیوا کرتا ہے وہ میوہ کھاتا ہے ——— میرے ساتھ آؤ اِدھر ——— اپنے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔ آج میں فارغ ہوں۔ باتیں کریں گے۔"

اس اثنا میں نہ مہنت نے مجھ سے بات کی نہ میں نے۔ البتہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور یوں لگا جیسے ہم کسی پچھلے جنم میں اکٹھے ہی رہے ہیں۔ بلدیو گری جوانی میں ضرور خوب صورت رہا ہو گا لیکن اب اس کے چہرے میں کوئی کشش نہ تھی۔ ہم اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک دروازہ عبور کر کے دیوار کی دوسری سمت پہنچے۔ اُدھر بھی چھت پر ایک کھلا کمرہ تھا جس میں دری کا فرش تھا۔ دو چار پائیاں اور ایک آرام کرسی بھی تھی۔

درگا موٹا نے بجلی کا پنکھا لگا دیا اور ہم سب دری پر بیٹھ گئے۔ سُوٹ بوٹ والے نوجوان کو بھی ہمارے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ ہماری وجہ سے وہ کچھ بیزار ہو رہا تھا لیکن گورو دیو نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ دی جیسے وہ تاش کا فالتو اور بے کار پتا تھا۔ یہاں آ کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا اور بڑی مزیدار باتیں کرنے لگا۔

"دُرگے! تُو نے پانی وانی تو پلایا نہیں ہو گا مہمانوں کو ——— بڑا لیچڑ ہے تُو سلے! دو چار آنے خرچ کرتے ہوئے تجھے موت پڑتی ہے۔"

دُرگا موٹا منہ کھول کر مسکرانے لگا جیسے "سالے" کی گالی کھا کر اسے بڑا انند

کمرہ جس میں ہم بیٹھے تھے بالکل معمولی تھا اور اس میں کوئی بھی قابلِ ذکر چیز نہ تھی۔ درگا موٹا مجھے اس لیے بار بار گھور کر دیکھتا تھا کہ میں سکھ تھا اور سناتن دھرمیوں کے ایک مندر میں کسی سکھ کا آنا جانا پسند نہ کیا جاتا تھا۔

وجہ یہ ہے۔ مندر میں ہندو لڑکیاں اور دیویاں بکثرت آتی جاتی رہتی تھیں۔ یہ لالے زبان سے بے شک سکھوں کی دوستی کی مالا جپتے رہیں، پر ان کے دل سکھوں کے ساتھ نہیں اور یہ بات وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی سکھ اس مندر میں دیکھا جائے جہاں ان کی کنیاؤں اور استریوں کا میلا سالگا رہتا ہے۔

اس بات کا احساس نہ تو دیال کو تھا نہ مجھے۔ صرف درگے موٹے کو تھا مگر ہم دونوں ایک ایسی دنیا کے آدمی تھے جہاں دھرم ایمان کوئی چیز نہیں۔ خیر ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سورج غروب ہوتے ہی سنت بلدیو گری آگیا۔ سوٹ بوٹ پہنے ایک خوش شکل نوجوان اس کے ہمراہ تھا۔ گورو دیو کی شکل وصورت اور لباس کے متعلق میں کیا بتاؤں۔ اس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا لمبے لمبے بال کندھوں تک لٹک رہے تھے۔ رنگ گندمی۔ عمر کوئی پچاس برس کے قریب ہوگی۔ پاجامے کے اوپر ایک لمبا سا فرغل نما قمیض پہنے ہوئے تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ ٹھٹک سا گیا اور درگا موٹا کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا خیال ہے وہ دیال کو پہچان نہ سکا تھا۔

دیال خود اٹھ کر آگے بڑھا۔ اس نے بڑے ادب سے پرنام کیا پھر معاً سنت بلدیو گری کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اوئے دیوی دیال —— اوئے سور —— !! حرامی —— ! کتے —— !! تو اتنے دن کہاں رہا —— میں تو تجھے پہچان نہ سکا۔ بڑا موٹا ہو گیا ہے۔"

"موج میلا کرتا ہوں گورو دیو!"

بلدیو گری ہنس کر بولا۔ "بدن پر چربی بے شک چڑھے لیکن یاد رکھ، عقل پر چربی نہیں چڑھنی چاہیے۔"

"چوپڑہ جی ! تیار ہو جاؤ ۔ بجلیاں گرنے والی ہیں"۔
اس نے یہ فقرہ دو تین مرتبہ دہرایا لیکن میں ان بجلیوں کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک بار وہ مجھ سے بھی بجلیوں کا ذکر کرنے لگا۔
"رنگو ! تو امرت جل پی رہا ہے ۔ تیرے جسم میں بجلیاں کوندجائیں گی ——"
"بجلیاں مجھے نہیں جلا سکتیں"۔
"اچھا —— ؟" بلدیوگری نے حیرت سے میری طرف دیکھا ——
"اُن بجلیوں کی تپش سے لوہے پگھل جاتے ہیں رنگو !"
ابھی فقرہ اس کے مُنہ میں تھا کہ دو لڑکیاں زینہ سے نکل کر سامنے آگئیں ۔ ہمیں دیکھ کر وہ ٹھٹک سی گئیں ۔ درگا موٹا ان کے پیچھے پیچھے تھا مگر وہ فوراً ہی غائب ہو گیا۔ صاحب سلامت کے بعد مہنت کے اشارے پر وہ ہمارے قریب ہی بیٹھ گئیں۔ وہ بالکل نوجوان اور بے حد سُندر تھیں ۔ گورو دیو نے ان کے لیے بھی دو گلاس منگوائے پھر باتیں کرنے لگا ۔ ایک لڑکی کا نام سبھدرا پال تھا اور دوسری کا کملا ۔ وہ بڑے آنند کے ساتھ امرت جل سے شغل کرنے لگیں ۔ سبھدرا پال پہلے ہی چوپڑہ کو جانتی تھی وہ دونوں اُٹھ کر اندر چلے گئے ۔ پھر کملا نے بھی گورو دیو سے کہا ۔" اندر چلیں، باہر کچھ ٹھیک نہیں لگتا "۔

ہم سب اُٹھ کر اندر آگئے ۔ کملا بار بار چور نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی ۔ میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا ۔ دوسرا گلاس پینے کے بعد اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں سُرخ ڈورے پیدا ہو گئے ۔ سنت بلدیو گری سب کے سامنے اس کے گالوں سے کھیل رہا تھا ۔ مجھے یہ سب کچھ سپنا سا لگ رہا تھا مگر یہ سپنا نہ تھا حقیقت تھی۔
رنگو دم لینے کے لیے رکا —— پھر کہنے لگا۔
"چودھری جی ! آپ کے سامنے یہ باتیں کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے لیکن یہ سب کچھ اس لیے بیان کر رہا ہوں تاکہ آپ لاہور کے سب سے بڑے ہندو دھرم استھان کا اندرونی حال جان لیں ۔ واہگورو کی قسم ! اس دن کے بعد دھرم

رہا ہو۔ پھر گورو دیو نے حکم دیا۔

"جا اب جا کر برف لے آ اور الماری میں سے دو بوتلیں نکال کر ٹنکی میں ڈال دے۔ بس جلدی کر۔ اب مہمان امرت جل پئیں گے۔"

دُرگا چلا تو اس نے پھر روک لیا۔

"دُرگے! جسم کے ساتھ ساتھ تیری عقل بھی موٹی ہوتی جا رہی ہے کیا" امرت جل" کے ساتھ کچھ کھانے کو نہیں لائے گا۔ لے یہ ایک روپیہ مونگرا اور تلی ہوئی دال لے آنا۔ دوسرا روپیہ تیرا ہے بس اس میں سے برف لے آ۔"

جب درگا موٹا مسکراتا ہوا چلا گیا تو بلدیوگری پھر مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بہت ہی دِل چسپ اور یار باش آدمی تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھ سے یوں گھُل مِل گیا جیسے ہم مدتوں کے یار بیلی تھے۔

رات کا اندھیرا اترا تو ہم باہر صحن میں آ بیٹھے۔ شہ نشین کے پاس ایک ٹنکی میں امرت جل بھرا تھا۔ جس کا گلاس خالی ہو جاتا وہ ٹنکی کی ٹوٹنی کھول کر گلاس بھر لیتا اور پینے لگتا سیتلا مندر کی چھت پر شراب نوشی کا یہ طریقہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ بلدیوگری کے پاس شراب کی کمی نہ تھی اگرچہ مَیں چھ ہرٹہ کے میٹھے ملٹے کا عادی تھا لیکن زندگی میں پہلی بار مَیں سنت بلدیوگری کے ہاں ولائتی شراب جانی واکر پی رہا تھا۔

تو یہ تھی سنت بلدیوگری سے میری پہلی ملاقات۔ اس پہلی ملاقات ہی میں ہم گہرے دوست بن گئے۔ وہ میرے نام سے مرعوب تھا اور بار بار میری بہادری اور جی داری کی تعریف کرتا رہا لیکن کبھی کبھی یہ بھی کہہ دیتا ——

"رنگو —— ! ہم دونوں ڈاکو ہیں۔ دونوں چور ہیں۔ فرق صرف یہ ہے تم رات کے اندھیرے میں مال لوٹتے اور خطروں سے کھیلتے ہو لیکن میرے پاس لوٹ کا مال دن کے اُجالے میں مندر کے چڑھاووں کی شکل میں خود بخود آتا ہے۔"

پھر فوراً ہی وہ بات کا رُخ بدل دیتا۔ سوٹ بوٹ والا نوجوان بھی ہمارے ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھا۔ بلدیوگری نے اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔

سمجھے جاتے اسی لیے آریہ سماجی سوامیوں[1] نے ہندو عورت کو اپنے پتی کے علاوہ دوسرے مردوں سے نیوگ کرانے اور بچّے حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے ۔ بلدیوگری کی جوانی میں بعض دیویوں نے اس سے کھل کھیلنا چاہا، اگرچہ جسمانی طور پر وہ معذور اور بیکار ہو چکا تھا لیکن من میں سوئی کامنائیں جاگ اُٹھیں اور اس نے ذہنی عیاشی کا نیا دروازہ کھولا ۔ اب وہ دوسروں کو پاپ کرتے ہوئے دیکھتا اور مزہ لیتا تھا ۔

خیر بلدیوگری کی کہانی بہت طویل ہے اور لاڈو کی کہانی سے اسے بس اتنا ہی تعلق ہے کہ جب ملک نے مجھے چودھری سیال کے ہونے والے جوائی کے پیچھے لاہور بھیجا تھا تو اس کے دیئے ہوئے پتے پر ٹھہرنے کی بجائے مَیں سیدھا گورو دیو کے پاس سیتلا مندر چلا آیا تھا ۔ آپ یہ ہرگز نہ سوچیں ۔ خوب صورت لڑکیوں کی کشش مجھے سیتلا مندر میں کھینچ لے گئی تھی ۔ لڑکیوں کے بارے میں تو مَیں نے پہلے ہی روز گورو دیو کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے ۔ ٹھہریں ! مَیں اپنی ملاقات کا وہ حصّہ بھی آپ کو سُنا ہی دوں ——— تو جناب ! قصّہ یہ ہُوا جب امرت جل پی کر ہم گرم ہو گئے، تو مَیں نے بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا ۔ چوپڑا اور سبھدرا پال ہمارے سامنے ہی ایک کونے میں رنگ رلیاں منا رہے تھے ۔ اُدھر گورو دیو کے حکم پر کملا نے اپنی ساڑھی کھول کر فرش پر بچھا دی تھی اور بالکل ننگی بیٹھی تھی ۔ گورو دیو اس کے جسم سے کھیل رہا تھا ۔ یا اسے گرما رہا تھا ۔ واہگورو کی قسم کھا کر کہتا ہوں ۔ مرد ہونے کے باوجود مجھے گھن آنے لگی اور مُنہ پھیر کر بیٹھ گیا البتہ دیوی وہاں آنکھیں سینک رہا تھا ۔ اچانک گورو دیو نے کملا

---

[1] مشہور آریہ سماجی سوامی دیانند آنجہانی نے اپنی کتاب " ستیارتھ پرکاش " میں نیوگ کو جائز اور عورت کی فطری خواہش قرار دے کر حکم لگایا ہے کہ ہندو عورت جب اپنے پتی سے اولاد حاصل نہ کر سکے تو اولاد کی خاطر گیارہ غیر مردوں سے خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں مباشرت کر سکتی ہے ۔ سوامی دیانند نے یہ نہیں بتایا ۔ گیارہ مردوں کی تعداد میں کون سی حکمت پنہاں ہے ۔ ( باقی صفحہ ۸۰ پر )

سے میرا یقین اُٹھ گیا اور مندروں اور گوردواروں سے مجھے نفرت ہو گئی۔

آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے۔ اکثر سناتن دھرمی کنواری لڑکیوں کا جیون رسیتلا مندر کے مہنت سنت بلدیو گری کے ہاتھوں سپھل ہوتا تھا اور یہ سب کچھ اُن کے نزدیک بڑا پوتر اور شبھ کام تھا۔ مَیں آپ کو یہ بتانا تو بھُول ہی گیا۔ بلدیو گری عورتوں کے قابل نہ تھا اور چُومنے چاٹنے سے آگے نہ بڑھتا تھا۔ وہ اپنے یار بیلیوں کو بُلاتا اور شکار اُن کے حوالے کر دیتا البتہ شراب وغیرہ پر اپنی جیب سے خرچ کرتا تھا۔ مندر میں ہر مہینے سینکڑوں ہزاروں روپے کے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ بلدیو گری کے یاروں میں ہندو ہی نہیں بعض بھروسے کے مسلمان بھی شامل تھے جو اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ سِکھوں میں سے شاید مَیں اکیلا ہی اس کا ہمراز تھا۔ کنواری لڑکیوں کو جب شراب اور نوجوان مردوں سے واسطہ پڑتا تو دیوانی ہو جاتی اور خود ہی مندر کے چکّر کاٹتی تھیں۔ بعض تو اس قدر پیاسی ہوتی کہ آتے ہی ٹنکی پر ٹوٹ پڑتی تھیں جس میں امرت جل بھر دیا جاتا تھا۔

چودھری جی! مَیں بڑا پاپی ہوں۔ مَیں نے بڑے بڑے پاپ کیے ہیں۔ مگر عورتوں سے میل جول مجھے پسند نہیں۔ سال میں ایک آدھ مرتبہ اگر کوئی شغل میلا ہو گیا تو اس کی قسم نہیں کھا سکتا۔ ورنہ عورت مجھے ماں اور بہن کے رُوپ میں اچھی لگتی ہے۔

مَیں نے آپ کو بتایا ہے بلدیو گری مردانہ خصوصیات سے عاری تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی سیتلا مندر کے مہنتوں کو شروع ہی میں خصّی کر کے مردانہ صفات سے محروم کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ شرمناک پاپ نہ کر سکیں۔ یہ احتیاط اور پابندی اس لیے ضروری تھی کہ سیتلا مندر ہندو دیویوں اور کنواری لڑکیوں کا گڑھ اور ایک قسم کی پاٹ شالا بھی ہے مگر بے انداز پیسہ اور پوترتا کا ڈھونگ آدمی کو پاپ کی نگری میں لے جاتا ہے اور دھرم استھان بدکاری کے اڈے بن جاتے ہیں۔

بلدیو گری کو لڑکپن ہی میں خصّی کر کے مہنت کی گدی کے لیے چُن لیا گیا تھا۔ شاید وہ ٹھیک ہی رہتا لیکن ہندو دھرم میں عورت کے بعض پاپ بُرے نہیں

'رنگو! کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ امرت جل کے بعد سُندر عورت کا پیار نشہ تیز کر دیتا ہے۔ کملا عورت نہیں نابھے کی بند بوتل ہے۔ بھگوان کی سوگند! تم ساری عمر اس کا نشہ یاد کرو گے۔'

'مَیں صرف شراب پیتا ہوں عورت نہیں۔'

'مگر شراب کا مزہ اسی وقت ہے جب عورت بغل میں ہو۔'

'گوردیو! تم نے ابھی رنگو کو صرف باہر سے دیکھا ہے اس کے اندر جھانک کر نہیں دیکھا جس روز تم اس کھال کے اندر چھپے ہوئے رنگو کو دیکھ لو گے میرے سامنے عورت کا نام نہ لو گے ——— عورت مرد کی بربادیوں کا آغاز ہے۔'

اب تو بلدیو گری کا نشہ بھی جیسے ہرن ہونے لگا۔ اس نے بار بار پلکیں جھپکائیں میری طرف دیکھا اور فرش پر لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ پھر یک لخت اُٹھا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ زینہ میں پہنچ کر اس نے دیال کو آواز دی اور کوئی ہدایت دے کر چلا گیا۔ دیال جب کمرے میں واپس آیا تو کملا کے پاس اس نے بلدیو گری کی جگہ سنبھال لی۔ مَیں نے گلاس اٹھایا اور صحن میں امرت جل کی ٹنکی کے سرہانے آ بیٹھا۔ اس میں ابھی تک جانی واکر کی کم از کم آدھی بوتل موجود تھی۔ مَیں آدھی رات تک تنہا بیٹھا چسکیاں لیتا رہا پھر نہ جانے کب نیند کا جھونکا آیا اور مَیں کب فرش پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

تو یہ ہے سنت بلدیو گری سے میری پہلی ملاقات کا حال احوال جس سے آپ سیتلا مندر میں کھیلے جانے والے پریم ناٹکوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

چودھری جی! سچ تو یہ ہے اگر بلدیو گری حد سے زیادہ دل چسپ یار باش، مہمان نواز اور مہربان نہ ہوتا تو مَیں دوبارہ سیتلا مندر کا رُخ بھی نہ کرتا کیوں کہ پہلی ہی رات مَیں نے جو تماشا دیکھا اس نے مجھے دھرماتما لوگوں اور دھرم استھانوں سے باغی کر دیا تھا۔ مَیں پہلے ہی کون سا دھرم کا پابند تھا۔ کروڑوں آدمیوں کی طرح میرا دھرم بھی صرف روپیہ پیسہ تھا۔ پھر بھی مَیں اس تماشے کی صحیح کیفیت اور تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے آپ نے میرا مطلب تو سمجھ ہی لیا ہو گا۔ اب آپ پوچھیں گے جب مَیں

کی کمر میں ایک مکا رسید کیا اور بولا ——— "کمو! کبھی تو نے رنگو مہتم کا نام سنا ہے؟"

وہ نشے کی حالت میں بڑبڑائی ——— "رنگو مہتم ——— وہ ماجھے کا ڈاکو، میں نے "ملاپ" میں اس کا نام پڑھا تھا۔ کیا وہ مر گیا یا پکڑا گیا؟"

"اوئے کھوتے دی پتر! رنگو مہتم آج تیرے سامنے بیٹھا ہے اس چیتے کو کون پکڑ سکتا ہے۔ رنگو! تم نے سنا ہے یہ کھوتی تمہاری موت یا گرفتاری پر راضی ہے۔"

کملا واقعی فٹ بال کی طرح اچھلی اور مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ "کیا تم رنگو مہتم ہو؟"

"جو گورو دیو کہہ دے وہی ٹھیک ہے۔"

میرے اس جواب پر بلدیو گری نے خوشی سے کملا کی کمر میں پھر ایک مکا مارا اور بولا۔ "دیکھا میری مورنی! ماجھے کا چیتا آج ہی میرا بالکا بنا ہے۔"

کملا دل چسپی سے مجھے دیکھنے لگی۔ مہنت پھر چلایا۔

"کمو! چیتا کہتا ہے بجلیاں مجھے نہیں جلا سکتیں۔ اسے مان ہے اپنی جوانی پر مگر میں کہتا ہوں۔ آج رات اسے پھونک دے۔ جلا دے اسے رنگو سے رنگون بنا دے ——— پریم سے رنگ دے۔"

نشے کی ترنگ میں جو اس کے منہ میں آتا کہتا جا رہا تھا۔ میں نے کملا کے سندر مکھڑے پر ایک عجیب سی لہر دیکھی۔ اس کی آنکھیں جگنو کی بتی کی طرح چمکنے لگیں مگر فوراً ہی میں نے اپنے میزبان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"گورو دیو! میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کس بات کی معافی؟"

"پریم سے معافی۔"

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹) اور ہندو دیوی بارہویں غیر مرد کے پاس کیوں نہیں جا سکتی؟ (مصنّف)

شام کا اندھیرا ابھی نہیں ہوا تھا۔ درگا موٹا اب ایکٹر بن گیا تھا اور کبھی کبھی نظر آتا تھا۔ گورو دیو کا ایک دُبلا پتلا نوکر کِشن گیلانی پریس اور انار کلی کے درمیان اس بلڈنگ میں رہتا تھا جس پر کویراج ہرنام داس "ہدایت نامہ خاوند" والے کا دفتر تھا۔ اسے گورو دیو کے ہر پروگرام کا پتہ ہوتا تھا۔ مَیں سیدھا کِشن کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے کمرے ہی میں مل گیا۔ کِشن نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بتایا گورو دیو مجھے اکثر یاد کرتے ہیں۔

کہنے لگا۔ "رنگو! تم نے بہت اچھا کیا سیدھے میرے پاس آئے اور مندر کے اُوپر نہیں چلے گئے۔ چلو گورو دیو کے پاس چلتے ہیں۔"

ہم اسی تانگے پر بیٹھے اور ہسپتال کی طرف سے گوالمنڈی کی طرف چل دیئے۔

رستے میں مَیں نے پوچھا کِشن! اگر مَیں سیدھا مندر میں چلا جاتا تو کیا ہوتا؟"

اس نے جواب دیا۔ "کچھ گڑ بڑ ہے۔ جس کا مجھے بھی علم نہیں نہ گورو دیو نے کچھ بتایا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ وہ مندر میں کسی غیر ہندو کی آمد پسند نہیں کرتے"۔

نے مندر میں ہونے والے پریم ناٹک کو پسند کیا۔ نہ مجھے عورت سے کوئی دلچسپی تھی تو میں وہاں کیوں جاتا رہا؟

آپ کا یہ سوال بڑا معقول ہے اور میں آپ کو اس کا جواب بھی دیتا ہوں۔ دراصل آدمی کبھی کبھی کتا بن جاتا ہے۔ مجھے امرت جل سے پیار ہے۔ شراب کی بوتل میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ سیتلا مندر کی چھت پر امرت جل پینے کا جو مزہ آیا اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہی وجہ ہے دوسری رات میں پھر سیتلا مندر میں موجود تھا اور اس طرح گورو دیو سے میری دوستی ہو گئی۔ پھر جب کبھی میں لاہور جاتا اس سے ملاقات ضرور ہوتی تھی۔

ایک عرصہ کے بعد جب ملک اللہ جوایا نے مجھے لاہور بھیجا تو تاکید کی تھی میں وہاں "ویرا ہوٹل[1]" کے مالک پر بودھ سے ملوں وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔ مگر پر بودھ سے زیادہ مجھے گورو دیو پر بھروسا تھا۔ پھر اس سے ملے ہوئے لمبا عرصہ ہو گیا تھا لاہور اسٹیشن ہی سے میں نے تانگہ لیا اور سیتلا مندر کا رُخ کیا۔ یوں تو میں نے بڑے بڑے شہر دیکھے اور دور دور تک گیا ہوں لیکن جو مزہ لاہور میں ہے وہ کہیں نہیں۔ کوئی دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔

ع "نیئں ریساں شہر لاہور دیاں"

---

[1] "ویرا ہوٹل" میکلوڈ روڈ پر منوہر سینما سے مشرق کی جانب تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا جس کا مالک ایک ہندو نوجوان پر بودھ تھا۔ قیام پاکستان سے پہلے ۴۳، ۱۹۴۴ء میں اس ہوٹل کی شہرت کچھ اچھی نہ تھی۔ آج کل اس میں ہفت روزہ "چٹان" اور دیگر کئی دفاتر ہیں۔ نیچے اردو پریس ہے۔ بلڈنگ کے مالک شورش کاشمیری نے اسے قصرِ ادب میں بدل دیا تھا۔ جہاں شعر و ادب اور صحافت و سیاست کا غلغلہ رہنے لگا۔

(قمر اجنالوی)

بعد اس پر امرت جل کی بوتلیں، برف، پانی کا جگ اور گلاس رکھے۔ اور گاموٹا پینے میں تو شریک نہ ہُوا لیکن ہماری گفتگو میں ضرور شریک تھا۔ دراصل رات کو پنچولی سٹوڈیو میں اس کی شوٹنگ تھی اور وہ دس بجے تک وقت گزارنا چاہتا تھا۔

ہم سبتلا مندر سے زیادہ دُور نہ تھے اور کمرے کی کھلی کھڑکیوں سے مندر کے کلس، چھت اور کمرے صاف دکھائی دے رہے تھے لیکن جو لطف اور مزہ ٹنکی میں تھا، وہ بوتلوں سے انڈیل کر گلاس بھرنے میں نہ تھا۔ مَیں نے گورو دیو سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی وہ کہنے لگا۔

"رنگو! یہ تو لمبی بات ہے۔ کبھی فرصت میں سناؤں گا لیکن تم بتاؤ، اتنی دیر کہاں رہے۔ اب کیسے آئے ہو؟"

امرت جل پیتے پیتے مَیں نے لاڈو رانی کی کہانی بیان کی۔ ملک اللہ جوایا اور سلطانے کا قصّہ سنایا۔ جھنگ مگھیانہ کے چودھری سکندر سیال کی لڑکی رابعہ اور سلطانے کی پریم کہانی اوّل سے آخر تک پوری تفصیل کے ساتھ سُنائی۔ گورو دیو کا اصرار تھا پریم کہانی تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے۔ وہ اس قسم کی کہانیاں بڑے شوق سے سُنتا کیوں کہ خود ایک جنسی مریض تھا۔ آخر مَیں نے بتایا۔ چودھری سیال نے رشتہ دینے سے اِنکار کر دیا اور لڑکی کی شادی اپنی برادری کے سیال نوجوان جمال سے کرنا چاہتا ہے۔ مَیں نے یہ بھی بتا دیا۔ جمال کی زمینیں ملک اللہ جوایا نے خرید کر سلطانے کے نام لگوا دی ہیں۔ اسی مہینے چاند کی پندرھویں کو جمال جنج لے کر جائے گا لیکن وہ زمینوں کا روپیہ لے کر لاہور آگیا ہے اور ملک کے کہنے پر مَیں یہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ جمال لاہور کیا لینے آیا ہے۔

رابعہ، سلطانے اور ملک اللہ جوایا کی کہانی سُن کر گورو دیو کہنے لگا ______

"رنگو! یہ تو بالکل کسی فلم کی کہانی معلوم ہوتی ہے اور دُھن باد ہے ملک کو کیسا نر آدمی ہے۔ پر یہ تو بتاؤ۔ چودھری جمال ٹھہرا کہاں ہے؟"

"ملک نے مجھے ویرا ہوٹل کا پتہ بتایا اور پربودھ جی سے مدد لینے کو کہا تھا۔"

"تو پھر امرت جل کہاں چھکتے ہو۔ پریم سبھا کہاں جمتی ہے"۔

"جب آئے ہو تو پتہ چل ہی جائے گا۔ جلدی کس بات کی ہے"۔

پھر وہ میرے حالات پوچھتا رہا۔ میو ہسپتال کے چوک میں تانگہ رُک گیا اور کشن کی ہدایت پر کوچوان نے اسے بھارت بلڈنگ کے آہنی جنگلے کے پاس کھڑا کر دیا وہی اکیلا نیچے اُترا اور یہ کہہ کر کہ میں ابھی آتا ہوں' ہسپتال کے بالکل سامنے والے ہندو محلے "گاندھی پارک" میں داخل ہو گیا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کوئی آٹھ دس منٹ کے بعد کشن گورو دیو کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک ادھیڑ عمر لالہ گاندھی ٹوپی اوڑھے اور کھدر کی سفید دھوتی باندھے چلا آتا تھا۔ سڑک پر آ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گورو دیو کو پرنام کیا اور واپس چلا گیا۔

بلدیو گری سیدھا میرے پاس آیا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تانگہ پھر چل پڑا۔ صاحب سلامت کے بعد ایک دوسرے کا حال چال پوچھا گیا۔ اس مرتبہ دُور نہ جانا پڑا تانگہ وہیں سے بانسوں والے بازار کی طرف مڑ گیا اور مول چند سرائے کے جنوبی سرے پر ہندو نیشنل بنک کے پاس رُک گیا۔ سرکلر روڈ پار کر کے سامنے شاہ عالمی دروازہ تھا۔ مگر ہم نے سڑک پار نہ کی۔ گورو دیو کے اشارے پر کشن اُتر کر بائیں جانب ایک تنگ سا زینہ چڑھ گیا پھر دو منٹ بعد واپس آ گیا اور ہم اس کی راہنمائی میں سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ دوسری منزل پر شاید کسی ڈاکٹر کی دُکان تھی لیکن ہم راہداری میں چلتے ایک کھُلے کمرے میں آ گئے ——— درگا موٹا وہاں پہلے ہی سے موجود تھا اور پہلے سے بھی موٹا ہو گیا تھا۔

ایک پُرانا صوفہ اور دو تین کرسیاں پڑی تھیں۔ ہم اُنہی پر بیٹھ گئے۔ درگا بھی بڑے تپاک سے ملا۔ اس نے صاف ستھرا کھُلا پاجامہ اور کُرتا پہنا تھا اور کافی بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ اسے فلموں سے کافی پیسے مل جاتے تھے لیکن بول چال اور گفتگو میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔

ایک نوکر نے ہمارے درمیان چوڑی سی میز بچھا دی پھر تھوڑی دیر کے

پربودھ کو بلوائے لیتا ہوں ۔ چودھری کا سب حال معلوم ہو جائے گا"۔

درگا موٹا بولا ۔ "گورو دیو ! پربودھ جی بھلا چودھری کے بارے میں کیا بتا سکیں گے ۔ وہ ویرا ہوٹل کے مالک ضرور ہیں مگر ہوٹل کا مالک ہر مہمان کے حالات نہیں جان سکتا ۔ میرا خیال ہے اس کام کے لیے مدھوک جی سے ملنا چاہیے ۔ وہی اس کی فلم کے گانے لکھ رہے ہیں ۔ میں نے ان کا گھر بھی دیکھا ہے ۔ وہ مغل پورہ کی ایک بستی رام گڑھ میں رہتے ہیں ۔ اس وقت ضرور گھر میں ہوں گے"۔

مہنت بلدیو گری نے اپنا گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر کہا ۔

"یار ! یہ موٹا بات تو ٹھیک کہتا ہے ۔ میں ایک سیوک کی کار منگوا لیتا ہوں تم درگا کے ساتھ رام گڑھ چلے جاؤ اور مدھوک سے بات چیت کر لو ۔ یہ شاعر اور کوی لوگ پروڈیوسروں کے بہت سے بھید اپنی جیب میں لیے پھرتے ہیں ۔ شاید سچ مچ مدھوک چودھری جمال کے بھید سے آگاہ ہو"۔

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولا ۔

"پتہ نہیں سلطانے ، لاڈو رانی اور ملک اللہ جوایا کی باتیں سن کر میرے من میں ہلچل سی کیوں ہونے لگی ہے ۔ جی چاہتا ہے میں بھی ان کے کسی کام آؤں ۔ یار ! یہ ملک اللہ جوایا تو واقعی ایک مہان پرش معلوم ہوتا ہے ۔ بڑا دل گردہ ہے اس کا اچھا تو درگے کے ساتھ رام گڑھ سے ہو آئیں کسی دوسرے ذریعہ سے پتہ لگاتا ہوں"۔

اس نے ایک نوکر کو رقعہ دے کر نسبت روڈ کی طرف بھیجا اور کہا ، وہ یہ رقعہ برج پال تک پہنچا دے ۔ وہ اپنی کار لے کر آ جائے گا ۔ اس کے آنے تک گلاس پھر بھرے گئے ۔ گورو دیو کہنے لگا ۔ "کے ۔ ایل شوری میرا دوست ہے ۔ وہ بھی فلمیں بناتا ہے اور اس کا لڑکا آر ۔ ایل ۔ شوری بھی یہی دھندا کرتا ہے ۔ یہاں ملتان روڈ پر ان کا ایک فلم سٹوڈیو بھی ہے ۔ میں کل سویرے ہی بڑے شوری سے بات کروں گا اور چودھری جمال کا سارا کچا چٹھا تجھے بتا دوں گا ۔ یہ فلموں والے بڑے پکے لوگ ہوتے ہیں ۔

" ویرا ہوٹل " کا نام سُن کر دُرگا موٹا کہنے لگا۔

" سردار جی ! اگر چودھری جمال ویرا ہوٹل میں ٹھہرتا ہے تو میں اسے جانتا ہوں"۔

" تم ——— تم کیسے جانتے ہو اُسے ؟"

گورو دیو کے اس سوال پر دُرگا نے بتایا۔

" دراصل چودھری جمال ایک فلم بنا رہا ہے۔ کاغذی تیاریاں ایک ماہ سے جاری ہیں۔ سُنا ہے۔ اس کا نیا نیا باپ مرا ہے۔ لاہور میں آکر خوب عیش کرتا اور ویرا ہوٹل میں خوب شرابیں اُڑتی ہیں۔ چند روز ہوئے اس نے مجھے بھی بلایا اور اپنی فلم میں کام کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں میں نے مدھوک جی کو دیکھا جو فلم کے گیت لکھیں گے۔ کچھ دِن پہلے چودھری جمال نے کہا تھا وہ فلم کے لیے اپنی زمینوں کا سودا کر رہا ہے اور عن قریب روپیہ لے کر آجائے گا مگر اس نے اپنے بیاہ کا تو کسی سے ذکر بھی نہیں کیا"۔ پھر دُرگا نے بتایا۔ " چودھری جمال دراصل ایک ایکٹرس کے چکّر میں پھنس چکا ہے اور اسی کے اصرار پر فلم بنا رہا ہے "۔

دُرگا موٹا کی زبانی یہ رام کہانی سُن کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور حیرت کے مارے میرا نشہ اُڑنے لگا۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ چودھری نور احمد سیال کا لڑکا چودھری جمال فلم بنانے کے لیے زمینیں فروخت کر دے گا اور وہ لاہور میں عیش و عشرت کی سنگتیں کر رہا ہو گا۔ اس کے متعلق ملک اللہ جوایا کا اندازہ کتنا صحیح ثابت ہوا۔ اس نے کہا تھا۔ " باپ کی وفات کے بعد جوان لڑکے کسی اچھے کام پر پیسہ نہیں بگاڑتے "۔

اچانک مجھے چودھری جمال کا ستارہ گردش کرتا نظر آنے لگا۔

یہ قصّہ سن کر میں ذرا سنبھل کے بیٹھ گیا اور دُرگے سے مخاطب ہُوا۔

" دُرگے ! مجھے پورا قصّہ سناؤ۔ وہ فلم ایکٹرس کون ہے۔ جو جمال پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ تجھے بھگوان کی سوگند مجھے خبر صحیح ملنی چاہیے "۔

گورو دیو نے میری بات کاٹ دی۔

" یار رنگو ——— ! تو اتنا فکرمند کیوں ہے۔ میں ابھی کسی کو ویرا ہوٹل بھیج

پیلس سینما کے سامنے کار رُک گئی ۔ پکے سانولے رنگ کا ایک آدمی سینما کے باہر سڑک پر ٹھگنے سے آدمی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا ۔ دُرگا نے مجھے بتایا وہی مدھوک جی ہیں پھر وہ گاڑی سے اُتر کر اس کے پاس گیا اور دونوں گاڑی کے قریب آگئے ۔ لاہور کے ہندوؤں میں ان دنوں مہنت بلدیو گری کا نام کسی مہاتما اور مہان پُرش کی طرح گونج رہا تھا اور عقیدت مند ہندو اس کا نام ہی سُن کر جھک جاتے تھے ۔ مَیں سمجھ گیا ۔ درگا نے گورو دیو کا ذکر کر دیا ہے ۔

"کہاں ہیں سردار جی ــــــــــ" یہ مدھوک کی آواز تھی ۔

"آؤ سردار جی ــــــــــ باہر آجاؤ" درگا نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا ۔
لکشمی بلڈنگ کے سامنے ایک ہوٹل تھا ہم وہیں جا بیٹھے ۔ چائے پانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیوں کہ مَیں تو امرت جل پیئے بیٹھا تھا ۔ چودھری جمال کی بات درگا موٹے ہی نے چھیڑی اور مدھوک حیران سا ہو کر بولا ۔

"پر یہ سمبندھ کیا ہوا ۔ آپ سکھ ہیں ۔ جمال مسلمان ہے ۔ آپ کا اس سے کیا واسطہ ؟"

مَیں نے اُسے بتایا ۔ میرا نہیں اُس کے ساتھ میرے یاروں اور پیاروں کا واسطہ ہے جنھیں مَیں اپنے ماتا پتا کی طرح سمجھتا ہوں ۔ انسانوں کے درمیان صرف مذہب اور دھرم ہی کا رشتہ نہیں ہوتا اور بھی کئی باتیں ہوتی ہیں ــــــــــ چودھری جی ! مَیں آپ کو کیا بتاؤں میرے منہ سے یہ شبد سُن کر مدھوک ہکّا بکّا رہ گیا ۔ پھر کھڑا ہُوا اور مجھ سے لپٹ کر کہنے لگا ۔

"سردار جی ! یہ بات کہہ کر آپ نے مجھے بے مول خرید لیا ہے ۔ میں خود مذہب اور دھرم سے بیزار اور انسانوں کا دوست ہوں"

ابھی تک درگا موٹے نے اُسے میرا نام نہیں بتایا تھا ۔ صرف گورو دیو کے مہمان کی حیثیت سے میری جان پہچان کرائی تھی مگر جب اس نے میرا نام سُنا تو پاگلوں کی طرح بِٹر بِٹر مجھے دیکھتا ہی رہ گیا ــــــــــ بھلا پنجاب دیس میں رنگو مہتم کے نام

——— ہر نیا آدمی جو فلم کا شوق لے کر آتا ہے۔ ان کی نظر میں ہوتا ہے۔ شوری ہے تو آر یہ سماجی مگر ایک چکّر میں میری اس سے اچھی جان پہچان ہو گئی تھی۔ مجھے پورا وشواش ہے وہ تمہارا کام کر دے گا۔"

ابھی ہم نے گلاس ختم نہ کیے تھے کہ برج پال اپنی کار لے کر آگیا اور میں درگا موٹے کو لے کر باہر نکلا۔ گورو دیو نے اپنے سیوک کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ ہمیں رام گڑھ جانا اور مدھوک جی سے مل کر واپس آنا ہے۔ جب ہم گاڑی میں بیٹھ گئے تو اس نے میرے کان میں جھک کر کہا۔

" رنگو! دیر نہ کرنا اور جلدی واپس آجانا۔ آج میں تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں اور ایک پٹاخہ بھی آنے والا ہے "۔

کار ریلوے کے بڑے پل سے اتر کر پورب کی طرف مڑ گئی اور لوکو کیرج ورکشاپوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی مغلپورہ میں نہر کے پل پر پہنچ گئی۔ یہاں سے ہم شالا مار کی طرف چل دیے۔ نہر کے پل سے رام گڑھ کوئی آدھے میل پر ہوگا۔ خالص ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی ہے۔ صرف یہ مشکل پیش آئی کہ کار تنگ گلیوں میں نہ جا سکتی تھی۔ ہم نے برج پال کو رام گڑھ کے بازار کے سامنے شالا مار کو جانے والی سڑک پر چھوڑا اور خود مدھوک کے مکان کی طرف چل دیئے وہاں جا کر پتہ چلا۔ وہ ابھی تک شہر سے نہیں آیا۔ درگا اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

" سردار جی! ہم سے گلتی ہو گئی۔ مدھوک جی کو پہلاں مکلوڈ پر دیکھنا چاہئیے تھا۔ تہاڈی طرح اوہ بھی پینے پلانے والے بھگت ہیں۔ کتھے بیٹھ گئے ہوں گے "۔

ہم پھر شہر کی طرف پلٹے اور میکلوڈ روڈ پر آگئے۔ درگا نے دو تین جگہ گاڑی رکوائی اور مدھوک کا پتہ پوچھا مگر کچھ پتہ نہ چلا ——— یہ اتفاق ہی تھا جب ہم نراش ہو کر واپس گورو دیو کی طرف جانے والے تھے۔ درگا موٹا اپنی سیٹ پر مینڈک کی طرح اچھلا اور ایک طرف اشارہ کر کے چلایا ———

" وہ ہے ——— وہ ہے ——— گاڑی روکو ———"

"مدہوک جی ——— ! مجھے تو ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا چاہیئے چودھری جمال اور فلم ایکٹرس کے درمیان کیسے تعلقات ہیں"۔

ایک منٹ خاموش رہ کر اس نے جواب دیا ۔

"اگر ٹھیک ٹھیک پوچھتے ہو تو میرا خیال ہے ۔ان کے درمیان اب پہلی سی بات نہیں رہی ۔ شاید فلم بھی نہ بن سکے ۔ چودھری جمال تو صرف اپنے پریم کے لیے فلم بنانا چاہتا تھا ۔ جب وہ سیالوں کے گھر شادی کرے گا تو پھر اسے فلم یا فلم ایکٹرس سے کیا دلچسپی رہ جائے گی ۔ آج ہی کی بات ہے اس نے اپنی دلہن کے لیے زیورات اور کپڑے خریدے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں فلم ایکٹرس والا چکر ختم ہوا ۔ ایسی عورتیں صرف روپیہ بٹورنا جانتی ہیں ۔ کسی کی ہو کر نہیں رہتیں ۔ جمال بڑا اکھڑا اکھڑا نظر آتا ہے ۔ جس سے میں یہی سمجھ سکا ہوں ۔ اس کا عشق کامیاب نہیں ہوا اور فلم ایکٹرس نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے"۔

مدہوک کی زبانی یہ کہانی سن کر مجھے بڑا دکھ ہوا اور میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا ۔

"کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ فلم ایکٹرس کو جمال سے شادی پر رضا مند کیا جا سکے تاکہ چودھری جمال سیال کے گھر جنج لے کر نہ جا سکے"۔

مدھوک حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگا ۔ یہاں مجھے ایک مرتبہ پھر سلطانے اور لاڈو رانی کی پریم کہانی سنانا پڑی جسے سن کر مدہوک پر تو حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس نے سلطانے کی کہانی بڑے شوق اور دھیان سے سنی پھر کہنے لگا ۔

"سردار رنگو ——— ! اگر تم مجھ سے پہلے ملے ہوتے تو میں آپ بیچ میں پڑ کر جمال اور ایکٹرس کی شادی کا بندوبست کرتا تاکہ سلطانے کا راستہ صاف ہو جاتا مگر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا"۔

"ہو کیوں نہیں سکتا ۔ تم ایکٹرس سے مل کر اسے راضی کر لو ۔ وہ کون ہے، کہاں رہتی ہے"؟

سے کون واقف نہ تھا۔ اخباروں میں میری کہانیاں چھپ چکی تھیں۔ میرا نام سن کر مدہوک بولا۔

"سردار رنگو —— ! میں تم پر ایک کہانی لکھوں گا ——"

"مجھ پر کہانی پھر ہو سکتی ہے، ابھی تو مجھے چودھری جمال کی کہانی سناؤ۔"

مدہوک کہنے لگا ——

"چودھری جمال فلم تو ضرور بنا رہا ہے اور اس کے گانے بھی میں ہی لکھوں گا لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا فلم بنے گی یا نہیں۔ چاند کی اسی پندرھویں کو اس کا بیاہ ہے اور پرسوں وہ اپنے گاؤں چلا جائے گا۔ اگر یہ بیاہ ہو گیا تو پھر فلم نہیں بن سکے گی۔ اگر بیاہ نہ ہوا تو پھر فلم بھی بنے گی اور چودھری جمال کے من کی آس بھی پوری ہو جائے گی۔"

اس عجیب و غریب بیان نے مجھے چکر میں ڈال دیا مگر مدہوک نے آپ ہی بات صاف کر دی —— "یہاں لاہور میں ایک فلم ایکٹرس کے ساتھ چودھری جمال کے بڑے گہرے تعلقات ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو وہ اس ایکٹرس ہی کے لیے فلم بنا رہا ہے۔ دونوں میں عشق چل رہا ہے۔ چودھری کہتا ہے شادی کر لو۔ ایکٹرس کا جواب ہے پہلے فلم بناؤ شادی پھر دیکھی جائے گی۔ ادھر چند روز سے یہ بات بھی سن رہے ہیں۔ چودھری جمال کی شادی جھنگ مگھیانہ کے ایک گاؤں میں ہو رہی ہے۔ جمال ایک پڑھا لکھا اور سمجھ دار نوجوان ہے مگر عشق بڑے بڑے سیانوں کی مت مار کے رکھ دیتا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے جس چودھری سیال کے گھر شادی کی بات پکّی ہوئی ہے اس کی ایک ہی لڑکی ہے اور وہ جہیز میں زیور کے علاوہ آٹھ دس مربعے بھی بیٹی کو دے گا —— جمال کو ڈیڑھ لاکھ کی جائیداد اور مل جائے گی مگر فلم ایکٹرس سے بیاہ کر کے اسے اپنی تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ملے گا؟ اس قسم کی عورتوں کے لیے شادی بیاہ صرف چند روز کا کھیل تماشا ہوتا ہے جب روپیہ پیسہ ختم ہو گیا تو پریم بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے ——"

(۷)

# شاہی محلّہ

کشن مجھے سڑک ہی پر مل گیا۔ اس نے بتایا۔ گورودیو میرا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ مجھے ساتھ لے کر نہ جانے کس کس راستے سے ہوتا ہوا ایک کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ کمرہ ہیرا منڈی ہی کے آس پاس کسی جگہ واقع تھا۔ مگر ٹیڑھے میڑھے تاریک اور گندے راستے کی وجہ سے میں اس کی صحیح نشان دہی نہیں کر سکتا۔ اس وقت کچھ نشہ بھی ہو رہا تھا میں نے راستے پر توجہ ہی نہیں دی۔ کشن نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ایک سوٹ بوٹ والے آدمی نے کواڑ کھولا اور اندر سے گورودیو کی آواز سنائی دی۔

"رنگو آجا ——— اور کشن تو اب جا کر سو تیرا کام ختم ہو گیا۔"

کمرے کے اندر جاتے ہی میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اندر ایک بہت بڑا پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر گورودیو آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک سندر اور جوان لڑکی اپنی ٹانگیں پھیلائے اس طرح لیٹی تھی کہ گول گول اور سفید رانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ شراب کے نشے سے اس کی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو رہے تھے اور ان

"مدہوک جی! رنگو کی جیت اسی میں ہے کہ چودھری جمال چاند کی پندرھویں کو جنج نہ لے جا سکے۔ تم اسے ایکٹرس کا نام تو بتاؤ۔"

"اس کا نام رنجنا ہے ——— نئی لڑکی ہے مگر ہے بہت سندر فلم میں اس کے لیے بڑا چانس ہے۔"

"کیا وہ ہندو ہے؟"

"نہیں ——— ہے تو مسلمان مگر اس نے اپنا فلمی نام یہی رکھا ہے۔ فلموں میں ہندی نام پسند کیے جاتے ہیں۔ اس لیے مسلمان اداکار بھی ہندو نام رکھ لیتے ہیں۔"

"رہتی کہاں ہے؟"

"شاہی محلے میں"۔ مدہوک مسکرا کر بولا ——— "چودھری جمال کی راتیں وہیں گزرتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت بھی وہیں ہو گا۔"

فوراً مجھے ایک خیال آیا۔

"اگر رنجنا اور جمال کی اکٹھی تصویر مل جائے تو کام بن سکتا ہے۔"

لیکن اس موقع پر جب کہ مدہوک کے بقول ان کے درمیان ناچاقی ہو گئی تھی اس قسم کی تصویر حاصل کرنا مشکل ہی تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ایک مسلمان لڑکا اختر ہر وقت چودھری جمال کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اسے بھی فلم کا شوق ہے، اور جمال کو دراصل اسی نے اس طرف ڈالا تھا۔ اس کا پورا نام این۔ ای اختر[1] تھا۔ وہ چودھری جمال اور رنجنا کے پریم کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا تھا مگر تلاش کرنے کے باوجود وہ لڑکا نہ مل سکا۔ ادھر درگے کو بھی سٹوڈیو میں جانے کی جلدی تھی۔ میں ساڑھے نو بجے واپس گورودیو کے پاس پہنچ گیا۔

---

[1] این۔ ای اختر مرحوم نے مشہور ایکٹرس بیگم پروین سے شادی کی تھی۔ پاکستان بن جانے کے بعد "سیلاب" اور "مسکراہٹ" کے نام سے فلمیں بھی بنائیں۔ ۱۹۵۴ء میں ان کا اچانک

"گورو دیو! وہ رنجنا اور جمال کی کیا بات ہے "

"ارے یار! ان کی شادی ہو رہی ہے "

"شادی؟ ——— نہیں ——— مَیں نے تو کچھ اور ہی سُنا ہے "

"تو نے سب کچھ غلط سُنا ہے ———"

گورو دیو کہنے لگا۔

"وہ آدمی ابھی آدھ گھنٹہ پہلے میرے پاس تھا۔ جو رنجنا کو فلم لائن میں لانا چاہتا ہے اور اس کا ماما ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ رنجنا ہر قیمت پر فلم کی ہیروئین بننا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ جمال کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی لہذا وقتی طور پر شادی پر بھی راضی ہے اور یہ شادی کل رات کو لاہور میں ہو رہی ہے۔ چودھری جمال جانتا ہے فلمی دُنیا میں اسے روپے کی ضرورت ہو گی اس لیے وہ چاند کی پندرھویں کو جنج لے کر جھنگ مگھیانہ کے چودھری سکندر سیال کے ہاں بھی جائے گا تاکہ چودھری اپنی لڑکی کو جہیز کی شکل میں جو جائیداد دے اس پر بھی قبضہ کر لے۔ اسے سیال کی لڑکی سے کوئی دِلچسپی نہیں صرف دولت پیاری ہے جسے وہ لاہور میں اپنی فلم پر لگائے گا ——— اس نے رنجنا کو وچن دیا ہے کہ چودھری سکندر سیال کی جائیداد قابو میں کرنے کے بعد وہ اس لڑکی سے کوئی دل چسپی نہ رکھے گا۔ یا پھر اس کے ذریعے مزید جائیداد حاصل کرے گا تاکہ اس کے فلمی پروگرام میں کوئی گڑبڑ نہ ہو سکے اور وہ رنجنا کو فلمی ہیروئین بنانے میں کامیاب ہو جائے ——— یہ بھی پتہ چلا ہے جمال اور رنجنا کی شادی خفیہ رکھی جائے گی۔ رنگو! تُو جانتا ہے ان کنجروں کے ہتھکنڈے کتنے خطرناک ہوتے ہیں اپنے لوبھ کے لیے یہ لوگ کئی گھروں کو اُجاڑ دیتے ہیں۔ جمال تو ان کے ہتھے چڑھ ہی چکا ہے۔ اُس کے ساتھ وہ چودھری سکندر کی جائیداد بھی ہڑپ کرنا اور رنجنا کو ہیروئین بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی لڑکی اگر ایک مرتبہ مشہور ہو گئی تو پھر جمال کو بھی دھکے دے کر نکال باہر کریں گے ——— سمجھ گیا ہے نا تُو ان کنجروں کا چکر ———"

گورو دیو کی زبان سے یہ بات سُن کر مَیں دنگ رہ گیا۔

ہیں ایک عجیب سی سستی آ گئی تھی ۔جس آدمی نے دروازہ کھولا اور پھر بند کر کے کنڈی چڑھائی اس کی عمر چالیس کے قریب تھی ۔ کوئی معتبر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گورو دیو نے اشارہ کیا کہ میں بھی پلنگ پہ آ جاؤں لیکن جہاں ایک سندر عورت شراب کے نشہ میں دُھت پڑی تھی وہاں بیٹھنا میرے لیے بہت مشکل تھا ۔ مَیں نے ایک کُرسی نما مُوڑھا دیکھا جو پلنگ کے سامنے پڑا تھا اور اس پر بیٹھ گیا ۔ گورو دیو نے ایک قہقہہ لگایا اور سوٹ بُوٹ والے آدمی سے کہنے لگا ۔

"کیوں چڈہ جی ! مَیں نے کچھ غلط کہا تھا ۔ یہ چیتیا جوان اِستری سے ڈرتا ہے"۔

پھر اس نے پلنگ پر لیٹی ہوئی عورت کی گوری گوری ٹانگ تھپتھپائی اور بولا ۔

" لتا ! اُٹھ کر بیٹھ جا ۔ رنگو آ گیا ہے ۔ اب تو اس طرح نہیں لیٹ سکتی ۔ اپنی ساڑھی ٹھیک کر لے ——— چل جلدی کر "

عورت اُٹھ کر بیٹھ گئی ۔ اس کی عمر بمشکل اٹھارہ انیس سال کے لگ بھگ ہوگی مگر جسم گورا اور خوب بھرا ہوا تھا ۔ چولی تو پھٹی پڑ رہی تھی ۔ اس نے بھوکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور دیکھتی ہی رہی ۔ مَیں نے نظریں جھکا لیں ۔ چڈہ گورو دیو کے ساتھ پلنگ پر جا بیٹھا تھا ——— مَیں حیران تھا ۔ اب یہاں کیا تماشا ہونے والا ہے اچانک گورو دیو نے کہا ۔

" رنگو ——— ! تو اور تیرا یار سلطانا بڑا خوش قسمت ہے ۔ مَیں نے ابھی ایک ایسے آدمی کو بُلایا تھا ۔ جو چودھری جمال اور فلم ایکٹرس رنجنا کا سب حال جانتا ہے۔ مگر ٹھہر جا ——— پہلے تُو چڈہ جی سے تو مل ——— یہ شام بہاری چڈہ امرتسر کے ایک پولیس افسر اور تجھے تو اچھی طرح جانتے ہیں ——— "

اس پر مَیں نے چڈہ کو اور اس نے مجھے بڑی تیکھی نظروں سے دیکھا ۔ اس بات پر تعجب نہ ہونا چاہیے ۔ مہنت بلدیو گری کا چکّر ایسا ہی تھا کہ اس میں ہر قسم اور ہر طبقہ کے آدمی پھنسے ہوئے تھے مگر مجھے کسی پولیس افسر سے دِل چسپی نہ تھی ۔ مَیں تو چودھری جمال اور رنجنا کی کہانی سُننے کے لیے بے چین تھا ——— مَیں نے کہا ۔

"پر گورو دیو! یہ ہُوا کیسے، وہ لوگ کیسی کارروائی کرنا چاہتے ہیں؛"

"مَیں نہیں جانتا، کچھ نہیں جانتا مگر میرا من کہتا ہے مجھ پر ایک کٹھن سمے آنے والا ہے۔ مندر میں ہر گھر کی لڑکیاں آتی ہیں۔ مَیں کسی کو بلانے نہیں جاتا جن کو شراب اور مرد کا چسکا پڑ جاتا ہے وہ آپ ہی میرے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ مَیں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہوں۔ کئی بار انہیں جھاڑ بھی دیتا ہوں مگر وہ میرے سامنے روتی اور کہتی ہیں، مَیں ان کے لیے پرُیی تلاش کروں۔ ان میں کئی اونچے گھرانوں کی لڑکیاں بھی ہیں۔ کئی سندریوں کے پتا سماج کے نیتا ہیں۔ میں ان کے لیے چارے کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ یہی میری کمزوری ہے۔ یہ لڑکیاں نئے شکار بھی خود ہی گھیر لاتی اور انہیں شراب کا چسکا لگا دیتی ہیں۔

شروع شروع میں ہر سُندری جو اپنا جیون سپھل کرانے کے لیے میرے پاس آتی ہے۔ شرماتی اور بدنامی سے ڈرتی ہے مگر چند دن کے بعد وہ مندر کے چکر لگاتی اور میرے اشاروں پر ناچتی ہے ———— ابھی تو نے اس لڑکی لتا کو دیکھا ہو گا وہ سناتن دھرم کے ایک بڑے لیڈر کی سپتری ہے چھ مہینے پہلے اس کا بیاہ بھی ہو گیا تھا۔ مَیں نے کہا چلو بلا ٹلی مگر وہ اپنے پتی کو چھوڑ کر جو پولیس میں ایک اعلیٰ عہدے پر ہے پھر لاہور آ گئی اور میرے پیچھے پھرتی رہتی ہے اس نے مجھے دھمکی دی تھی اگر مَیں نے اس کی فرمائش پوری نہ کی تو وہ میرا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ ایسی ہی ایک اور لڑکی شیلا بھی میرے لیے مصیبت بن چکی ہے۔ ادھر یہ پتا چلا ہے بعض آدمی چوری چھپے آنے والی ناریوں کی خفیہ دیکھ بھال کرتے اور میرے ملنے جلنے والوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ مَیں ڈرتا نہیں یہ لوگ میرے خلاف کوئی ثبوت نہ پیش کر سکیں گے مگر سوچنے کی بات ہے۔ اگر سناتن دھرمیوں میں یہ بات مشہور ہو گئی مَیں کنواری کنیاؤں کے جیون سپھل کراتا ہوں تو بری کتنی بدنامی ہو گی۔

ہو سکتا ہے۔ مجھے مندر کی گدی سے اُتار کر کوئی دوسرا مہنت بٹھا دیا جائے ڈاکٹری طور پر مَیں عورت کے قابل نہیں مگر جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ تو ہر لڑکی جانتی ہے

"پر گورو دیو! اتنا بڑا دھوکا کیسے چھُپ سکتا ہے۔"

"اوئے رنگو! اس جگ میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی طرف ہی دیکھ لے، ہم کون سا پُن کما رہے ہیں۔ بس تُو جو کچھ چاہتا تھا وہ ہو گیا۔"

بلدیو گری ایک منٹ کے لیے چُپ ہو گیا پھر کہنے لگا۔

"اب یُوں کر، ملک اللہ جوایا کو ابھی جا کر تار دے اور اُسے لکھ وہ کل شام تک اپنے یار چودھری سکندر سیال کو کسی بہانے ساتھ لے کر لاہور پہنچ جائے۔ اس کے بعد تُو دیکھ لے گا کیا ہوتا ہے۔ مَیں نے سب سکیم تیار کر لی ہے بس تُو چودھری کو کسی طرح لاہور بُلا لے۔"

پھر اس نے چڈہ سے کہا کہ انگریزی میں تار کا مضمون لکھ دے۔ چڈہ نے تار کا مضمون لکھ دیا جس میں ملک اللہ جوایا کو تاکید کی گئی تھی۔ وہ چودھری سکندر د ساتھ لے کر کل شام تک لاہور پہنچ جائے۔ ان کے لیے دہلی مسلم ہوٹل انار کلی میں یک کمرہ ریزرو کرا لیا جائے گا۔

جب تار کا مضمون لکھا جا چکا تو مَیں نے بلدیو گری سے کہا۔

"گورو دیو! مجھے تو تار گھر کا پتہ نہیں اور نہ یہاں سے نکلنے کا راستہ معلوم ہے۔"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا ———

"چل مَیں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ چڈہ جی اور لتا دونوں موج میلا کریں گے۔"

تانگے میں سوار ہو کر ہم تار گھر آئے اور تار دینے کے بعد جب واپس جا رہے تھے بلدیو گری کہنے لگا ———

"رنگو! میرا جیون تجھ سے چھپا ہُوا نہیں ہے۔ یہاں ہر قسم کے آدمی میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں مگر مَیں ہر کسی کے سامنے نہیں کھُلتا۔ جن لوگوں کے لیے سُندر شکار کھیلتا ہوں وہ میرے لیے اپنی جان بھی بلیدان کر دیں گے۔ یہ مجھے وشواس ہے پر مجھے شبہ ہے کسی حرامی نے میری شکایت کر دی ہے اور آج کل اندر ہی اندر سناتن دھرم کے کچھ لوگ میرے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہیں ———"

حالاں کہ لوگ میرے پاس صرف عورت کے لوبھ میں آتے ہیں مگر تم ان میں سے نہیں۔ آہا۔"

پھر وہ جھوم جھوم کر "مرزا صاحباں" کا شعر پڑھنے لگا۔

؎ "کچی یاری رناں دی، گھڑیں جنہاں دی مت
ہس کے یاری لاؤندیاں تے رو کے دیندیاں دس"

وہ بار بار یہی شعر پڑھتا اور جھومتا ہوا مجھے سیدھا مندر میں لے گیا اور ایک لڑکے سے کہہ کر چھت پہ چارپائی بچھوا دی۔ میں دن چڑھے تک سوتا رہا اسی لڑکے نے آ کر جگایا۔ جس نے رات بستر بچھا کر دیا تھا۔ میں نے لوہاری کے چوک میں آ کر ناشتہ کیا اور دہلی مسلم ہوٹل انار کلی میں ملک اللہ جوایا کے نام پر ایک کمرہ بک کرنے کے بعد چلا آیا۔

لاہور میں بہتیرے لوگ جان پہچان والے تھے مگر میں نے گورو دیو سے ملے بغیر کہیں جانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ پوجا پاٹ اور مندر کے چڑھاووں سے فارغ ہو کر کوئی دس بجے میرے پاس چھت پر آیا اور بولا۔

"اب ساری بات ملک اور چوہدری کے آنے پر ہے۔ میں آج سارا دن مندر میں رہوں گا تو ہوٹل سے پتا کرتا رہ۔ وہ جس وقت آئیں مجھے فوراً بلا لینا۔"

یہ پروگرام طے کر کے میں باہر آ گیا اور بے مقصد اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ ایک مرتبہ شاہی محلہ میں رنجنا کے مکان کی یاترا بھی کی۔ یہاں کافی رونق تھی۔ اس مکان کا پتہ بھی گورو دیو ہی سے ملا تھا۔ کچھ بھی ہو۔ آدمی یاروں کا یار تھا اور چھوٹے موٹے عیب تو ہر آدمی میں ہوتے ہیں۔

چار بجے جب میں دوسری مرتبہ دہلی مسلم ہوٹل آیا تو ملک اللہ جوایا سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے ساتھ چوہدری سکندر سیال بھی تھا مجھے یہ تو علم تھا۔ ملک تار ملتے ہی فوراً آئے گا لیکن چوہدری کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے دیکھ کر تو میرے ہوش اُڑ گئے۔ ملک نے چھوٹتے ہی کہا۔

اگر کسی لڑکی نے میرے خلاف بیان دے دیا تو مجھ پر بڑا بھاری کشٹ آئے گا اور اگر کیس پولیس کو دے دیا گیا تو وہ مجھے گرفتار بھی کر سکتی ہے"۔

مَیں نے محسوس کیا۔ مہنت بلدیو گری کا بدن کپکپا رہا تھا اور اس کے من میں خطرے کے ناگ پھن اُٹھائے کھڑے تھے۔ مَیں نے کہا۔

" گورو دیو! اگر سچی بات پوچھتے ہو تو مجھے تمہارا یہی کام پسند نہیں تھا۔ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے اور وہ ایک دن بدنام ہو جاتا ہے۔ اب میری صلاح مانو تو مندر میں لڑکیوں کو شراب پلانے والا دھندہ فوراً بند کر دو۔ اگر کسی پولیس آفیسر پر شبہ ہے تو مجھے بتاؤ۔ مَیں اسے ایسا سبق دوں گا کہ وہ جیون بھر یاد رکھے گا۔ مَیں جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا۔ مَیں اپنے یاروں کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ واہگورو کی قسم! تمہیں تو مَیں پولیس کی وار سے بھی نکال کر لے جاؤں گا مگر جو کچھ مَیں نے کہا ہے، اس پر عمل ضرور کرو"۔

بلدیو گری نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔

" رنگو! مَیں نے تیرے سوا اپنے من کی بات ابھی تک کسی کو نہیں بتائی، اور بھگوان کی قسم تیرا جواب سُن کر مَیں بہت پرسنّ ہُوا ہوں مَیں خود یہی سوچ رہا ہوں لڑکیوں کا آنا جانا بند کر دوں"۔

" گورو دیو! تمہیں ان لڑکیوں کا تجربہ نہیں۔ جوانی کے جوش میں انہیں کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ یہ ہنس کر یاری لگاتی اور رو کر بھید کھول دیتی ہیں"۔

پھر مَیں نے اسے "مرزا صاحباں" کا شعر سُنایا ؎

" کچی یاری رنّاں دی، کھُریں جنھاں دی مَت
ہس کے یاری لاوندیاں تے رو کے دیندیاں دَس"

اس پر گورو دیو بہت ہی خوش ہُوا اور بار بار یہ شعر پڑھتا رہا۔ مَیں نے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا کہنے لگا۔

" رنگو! تم ہیرے ہو ہیرے، تم نے پہلے ہی دن عورت سے نفرت کی تھی،

میں بیٹھ کر ہم پہلے میکلوڈ روڈ پر ویرا ہوٹل گئے۔ وہاں اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ چودھری جمال نے اس ہوٹل میں ایک فلم کمپنی کا دفتر کھول رکھا ہے۔ وہاں سے نکلے تو گہری شام ہو چکی تھی اور ہماری اطلاع کے مطابق ٹھیک آٹھ بجے رات رنجنا اور جمال کی شادی کی رسمی کارروائی ہونے والی تھی۔ ہم وقت پر شاہی محلے پہنچ گئے۔ گورودیو نے تانگے شاہی قلعہ کے اُتر میں کھڑے کرائے جہاں میدان تھا اور اُتر کر سڑک پر آ گیا۔ ایک گندے سے کمرے کے پاس جس کے آگے ٹاٹ کی بوریوں کا پردہ لٹک رہا تھا اس نے آواز دی "ہربنسو!"

فوراً ایک دُبلا پتلا آدمی گھبرایا ہُوا باہر نکلا اور گورودیو کے چرن چھو کر بولا۔

"مہاراج! تُسیں آج کیسے پدھارے، مَیں کیا سیوا کروں؟"

"اوئے ہربنسو! تیری عورت بھاگ گئی یا ابھی تیرے پاس ہے؟"

"مہاراج! او سالی تو چوتھے روج ہی نس گئی تھی۔ مَیں نے سوچیا تھا مندر پوجا کرکے اوپدری ہو جاؤ گی پر سالی کے لیکھ ہی بُرے تھے۔ نس گئی، آج کل مَیں پھیر اکلا ہوں، پر سرکار! تُسیں کس طرحاں آئے ہو؟"

ہربنسو کی باتیں سُن کر گورودیو مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔ "تو بابا عالم کو جانتا ہے نا۔ وہ رنجنا کا ماما۔ ذرا جلدی سے اسے بُلا لا اور دیکھ جا کر اس کے کان میں میرا نام لے دے وہ آپ ہی سمجھ جائے گا۔"

"مہاراج! آج تو رنجنا کا بیاہ ہونے والا ہے۔ کہیں تُسیں بدھائی دین تو نہیں آئے؟"

ہربنسو کی آنکھوں میں شریر سی مسکراہٹ تھی۔ مَیں حیران تھا شاہی محلے میں بھی گورودیو کے سیوک اور جاننے والے رہتے تھے۔ ہربنسو جلدی واپس آ گیا۔ بابا عالم جو ایک موٹا اور گول مٹول سا آدمی، داڑھی مونچھ صفا چٹ اور بالوں کو خضاب لگاتا تھا۔ یوں بھاگا ہُوا آیا جیسے کوئی مرید اپنے پیر کے پاس آتا ہے۔ بلدیو گری نے اس کے کان میں کچھ کہا اور وہ بولا۔

"رنگو! کیا بات ہے۔ تو نے تار کیوں دیا تھا؟"

مَیں انہیں وہیں چھوڑ کر سیتلا مندر کی طرف بھاگا اور لڑکے کے ذریعے گورو دیو کو بتایا کہ ملک اور چودھری آگئے ہیں۔ وہ فوراً ہی میرے ساتھ ہوٹل میں پہنچ گیا۔ وہ ایک سناتن دھرمی ہندو اور مشہور مندر کا مہنت تھا۔ اس میں کئی عیب تھے مگر اس کی آتما بُری نہ تھی۔ میں نے ملک اور چودھری سے اس کا تعارف کرایا۔ اب اس نے چودھری سکندر سیال سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چودھری! تم لوگوں کو رنگو نے نہیں مَیں نے بلایا ہے۔"

پھر اس نے چودھری جمال اور رنجنا کے پیار اور خفیہ بیاہ کی پوری رام لیلا سُنا دی۔ جسے سُن کر چودھری سکندر سیال کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس بے چارے کو تھوک نگلنا مشکل ہو گیا۔ گورو دیو نے لوہا گرم دیکھ کر آخری چوٹ لگائی۔

"آج شاہی محلّے میں رنجنا اور جمال کی شادی ہونے والی ہے جس کے لیے جمال بیس ہزار روپے کی رقم دے بیٹھا ہے۔ تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ کانوں سُنی بات کا اعتبار نہیں ہوتا۔ آنکھوں دیکھی اچھی ہوتی ہے۔"

چودھری سکندر سیال کی یہ حالت کہ مارے شرم کے زمین میں گڑھا جا رہا تھا۔ یک لخت وہ غصّے کے جوش میں کھڑا ہُوا اور بولا۔

"پنڈت جی! اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو مَیں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے اور میری بیٹی کو تباہی سے بچا لیا۔"

گورو دیو مہنت ہونے کے باوجود بڑا دُنیادار آدمی تھا۔ اس نے چودھری سیال سے کہا ——— "چودھری! دھیّاں رانیاں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ مَیں نے تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھ کر تمہیں جمال کے لچھنوں سے خبردار کرنا ضروری سمجھا اور تار دے کر بُلایا۔ بھگوان کی دَیا ہے۔ تم آگئے۔ مَیں ہندو ہوں تو کیا ہُوا۔ میرا یار رنگو تم لوگوں کا سیوک ہے اور ہم لوگ یار کی یاری کا پالن کرتے ہیں۔"

پھر اس نے مجھے باہر بھیجا کہ مَیں دو تانگوں کا بندوبست کر دوں۔ تانگوں

جواب دیا۔

"ہُن مَیں تیرا چاچا نئیں۔ ہُن ایہہ لوک تیرے چاچے نیں جنہاں دے گھر تیرا ویاہ ہویا اے۔ مینوں کی پتا سی تیرے دِل وِچ کیہ اے۔ پر رب دا شکر اے اوس نے مینوں ہتھ دے کے دھیئی وِچ ڈگن توں بچا لیا۔ تیرے لئی مَیں پرانے یار اللہ جوایا دے نال وی وگاڑ لئی۔ پر اَج او ہوای یار میرے کم آیا تے اوس نے تیرا ایہہ کالا رُوپ مینوں وکھایا توں تے سپ بن کے مینوں ڈنگن لگا سیں۔"

جمال کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ اچانک اس نے نکاح کا کاغذ اُٹھا کر پُرزے پُرزے کر دیا اور لپک کر سکندر سیال کے قدموں میں گر کر بولا ——— "چاچا ——— ! مجھے معاف کر دو۔ مَیں زندگی بھر تمہارا بیٹا بن کر رہوں گا۔ میری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا مگر مَیں نے اسے پُرزے پُرزے کر دیا ہے ———"

چوھدری سیال نے نفرت سے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور کہا ——— "پُتّر تے مَیں تینوں بنانا چاہوندا ساں پر اَج مینوں پتہ لگّا اے تو حلال دا نئیں حرام دا ایں ہُن تیرا ساڈے نال کوئی واسطہ نئیں۔"

اسی وقت بابا عالم آگے بڑھا اور اس نے جھک کر کہا۔

"آج سے چوھدری جمال کے ساتھ ہمارا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اس نے نکاح کا کاغذ پھاڑ کر ہماری توہین کی اور نکاح کو خود منسوخ کر دیا ہے۔"

چودھری جمال کی آنکھوں میں خون سا اُتر آیا۔ اس کی اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی تھی کہ ایک کنجر بھی اسے بیٹی دینے سے انکار کر رہا تھا مگر چودھری سکندر سیال نے ان باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا اور ملک اللہ جوایا سے کہنے لگا۔

"ملک جی ! ہُن میری عزّت تہاڈے ہتھ وِچ اے۔ مَیں سلطانے نوں اپنا پُتر سمجھ لیا اے، تے مینوں ایہہ وِی پتا لگ گیا اے 'جمال اوہدے پیراں دی مِٹّی وِی نئیں۔ میرے کولوں بڑی بھُل ہو گئی سی جیہڑا مَیں اوہنوں پچھان نہ سکیا۔"

"جناب! آپ پچھلی سیڑھیوں سے اُوپر آجائیں - مَیں اُوپر کا کمرہ کھلوا دوں گا وہاں کوئی نہیں آسکتا - آپ لوگ وہیں بیٹھیں گے۔"

پھر وہ ہم سب کو ساتھ لے کر ایک گلی میں آیا اس نے ایک دروازہ کھول کر ہمیں سیڑھیاں چڑھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسری طرف نکل گیا - ہم تنگ زینہ چڑھ کر ایک کمرے میں آگئے جہاں دری بچھی تھی - ملک اللہ جوایا اور چودھری سیال کو جب معلوم ہُوا یہی ان کنجروں کا مکان ہے - جن کی لڑکی کے ساتھ جمال شادی کر رہا ہے تو انہوں نے نفرت سے تھوک دیا - بھلا ایسے راٹ چودھری اور بھلے مانس لوگوں کا کنجروں کے کوٹھے پر کیا کام مگر مجبوری انہیں لے آئی تھی - چار پانچ منٹ کے بعد بابا عالم دوسرے زینہ سے اُوپر آیا اور گورودیو سے کہنے لگا -

"جناب! بس اب نکاح کے کاغذ پر دستخط ہو رہے ہیں - آپ دو منٹ کے بعد نیچے آجائیں ——"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور دو منٹ کے بعد جب ہم دوسرے زینہ سے اُتر کر نیچے پہنچے تو چودھری جمال اپنے چند دوستوں کے ہمراہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا نکاح کے کاغذ پر دستخط کر رہا تھا - بابا عالم نے ہمیں دوسرے کمرے میں بٹھایا - جس کی کھڑکی سے بیٹھک کا سماں نظر آتا تھا - پھر رنجنا دُلہن بنی اس کمرے میں آئی اس کے ساتھ اس کی بڑی بہن اور چاچی بھی تھی - ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھا دیا تو رنجنا چاچی اور بہن کے ساتھ واپس چلی گئی اور دوستوں نے چودھری جمال کو بدھائی دی ٹھیک اسی لمحے چودھری سکندر سیال دروازے میں نمودار ہُوا جونہی جمال کی نظر اس پر پڑی اس کا رنگ اُڑ گیا اور وہ یوں گھبرا کر کھڑا ہو گیا - جیسے کسی کنوئیں میں گر رہا ہو مگر کنوئیں میں تو وہ گر ہی چکا تھا - رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا - اچانک صدمے سے اس کی جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے - انتہائی تعجب سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا ——

"چاچا ——!"

پتا نہیں چودھری سکندر اپنے غصّے کو کس طرح پی گیا - اس نے بڑی نرم آواز میں

میَں لاہور میں گوردیو کے پاس سیتلا مندر کی چھت پر بیٹھا "وائٹ ہارس" پی رہا تھا۔ "وائٹ ہارس" کا نشہ آدمی کو منہ زور گھوڑے کی طرح لے اُڑتا ہے۔ گوردیو نے اس دِن اپنی ایک خطرناک کہانی سُنائی تھی۔ جس کے باعث سناتن دھرمی ہندوؤں کو اپنے خصّی مہنت پر شک ہُوا اور چوری چھپے اس کی نگرانی ہونے لگی تھی۔

مزیدار بات یہ ہے جب ہم سیتلا مندر کے کوٹھے والی ٹینکی سے گلاس بھر بھر کے پی رہے تھے۔ اس وقت بھی دو آنکھیں ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ غلطی میری ہی تھی میَں نے گوردیو سے کہا تھا۔ جو مزہ ٹینکی سے گلاس بھرنے میں ہے وہ بوتل سے انڈیلنے میں نہیں۔ اس بات پر بلدیو گری نے کہا۔

"رنگو! اگرچہ میں نے ٹینکی والا سسٹم ڈیڑھ دو مہینے سے ختم کر دیا ہے۔ کیوں کہ اس ٹینکی کی شکایت بھی پہنچ چکی ہے لیکن تُو میرا جگری یار ہے۔ چل آج پھر

"چودھری! سلطانا پتر اِی نئیں تیرا چاکر بن کے رئے گا۔ مَیں سمجھنا آں رب نے دِھی رابعہ دا کوئی ہاڑا سُن لیا اے۔ مَیں چَن دی پندرھویں نوں جنج لے کے آجاواں گا۔"

پھر ہم لوگ شاہی محلہ سے لوٹ آئے۔ چودھری سکندر سیال نے سلطان کو "اپنا بیٹا" کہہ دیا تھا۔ مجھے اس پہ اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مَیں نے اپنے یار کی یاری کا حق ادا کر دیا تھا اور سچی بات تو یہ ہے سب کچھ گورو دیو نے کیا تھا۔ اس نے جس طرح چودھری سکندر کو تار کے ذریعے لاہور بلوا کر سارا کھیل دکھایا تھا۔ مَیں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مَیں نے چودھری اور ملک کو دہلی مسلم ہوٹل میں چھوڑا اور خود "امرت جل" سے شغل کرنے کے لیے گورو دیو کے ساتھ سیتلا مندر کی چھت پہ آگیا۔ مَیں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"گورو دیو! بابا عالم نے چودھری جمال سے قطع تعلق کیوں کر لیا۔ کنجر تو اس قِسم کے لوگوں کو اسی وقت دھکا دیتے ہیں جب اچھی طرح ان کی کھال اتار لیں۔"

"رنگو! تجھے کیا خبر وہ جمال کی کھال اُتار چکے ہیں۔ رہی سہی کسر انہوں نے آج پُوری کر دی اور دس ہزار کا زیور وصول کر کے بھی لڑکی نہ دی۔ انہوں نے جمال سے بڑی بڑی رقمیں پہلے ہی وصول کر لی تھیں۔ اب درحقیقت اس کے پاس روپیہ ختم ہو چکا تھا۔ جمال نے جذبات میں آ کر خود ہی نکاح کا کاغذ پھاڑ دیا اور بابا عالم کو موقع مِل گیا کہ صاف جواب دے دے۔ اب وہ رنجنا کے لیے کسی نئے جاگیردار کو تلاش کریں گے۔"

جمال ہمارے سامنے ہی وہاں سے چلا آیا تھا۔ اُس کی مثال دھوبی کے اس کتّے کی سی تھی جو گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔

دوسرے روز ملک اللہ جوایا نے اپنی بہو کے لیے زیور اور کپڑے خریدے اور چودھری سیال کو اپنے ساتھ لے کر سرشمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مَیں گورو دیو کے ایک ضروری کام کے لیے لاہور ہی میں رُک گیا تھا۔

لیکھ یہ کہ شیلا نشے میں تھی اور اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔ باپ کو پتہ چل گیا اس نے بے تحاشا مارا اور مجبور کیا وہ بتائے اس نے شراب کہاں پی تھی۔ پہلے تو وہ انکار کرتی رہی۔ نہیں بتاؤں گی چاہے جان سے مار دو مگر باپ نے اتنی سختی کی کہ اسے بتانا ہی پڑا۔

گورو دیو کا خیال تھا۔ مندر کے کوٹھے پر شراب کی ٹینکی، لڑکیوں کی آمد اور اپنے آشنا مردوں کے ساتھ ملاپ کی کہانی شیلا ہی نے بیان کی ہو گی جس کے بعد مندر کی خفیہ نگرانی ہونے لگی مگر گورو دیو بھی اُڑتی چڑیا کے پر گنتا تھا۔ اس نے کوٹھے کی بیٹھک چھوڑ دی۔ ٹینکی کو صاف کرا دیا اور لڑکیوں کو بھی آنے سے منع کر دیا تھا۔ اس بات پر اڑھائی تین مہینے ہو چکے تھے اور کوئی اسے پکڑ نہ سکا تھا۔

ایک شکایت یہ بھی تھی، رات کو گورو دیو کے پاس غیر ہندو بھی آتے ہیں۔ جن میں مسلمان اور سکھ بھی شامل ہیں اور مہنت اپنے شکار انہی کے حوالے کر کے خود تماشا دیکھتا ہے۔

●

اس رات میری آتما بڑی خوش تھی کیوں کہ میں نے اپنے یار سلطانے کی راہ سے چوہدری جمال کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکال دیا تھا۔ جب ہم نے ٹینکی سے وائٹ ہارس کے گلاس بھرے تو گورو دیو نے بھی یہی کہا۔

"رنگو! آج میں بہت خوش ہوں۔ آج میں نے بہت بڑی نیکی کمائی اور دو جیون نشٹ ہونے سے بچا لیے۔"

ہم پیتے رہے۔ سلطانے اور لاڈو رانی کے پریم کی باتیں ہوتی رہیں۔

گورو دیو کہنے لگا۔

"رنگو! میرا لاہور سے نکلنا ہی نہیں ہوتا۔ جی چاہتا ہے ان پریمیوں کو دیکھوں نہ جانے کیوں کچھ ایسا لگتا ہے جیسے لاڈو رانی میری ہی بیٹی ہو۔"

میں نے کہا۔

"گورو دیو چاند کی پندرھویں کو سلطانے کی جنج جائے گی۔ میرے ساتھ سرشمیرہ چلو۔"

تجھے ٹینکی ہی سے پلاؤں گا۔ اگر کوئی دیکھ بھی لے گا تو مجھے پروا نہیں پر ماتما بھی تو کئی سال سے دیکھ رہا ہے"۔

یہ کہہ کر وہ مجھے شام کے وقت ہی چھت پر لے گیا تھا مگر احتیاط کے طور پر کشن کی ڈیوٹی لگادی گئی تھی۔ وہ چھت کی منڈیر پر بیٹھ کے ادھر اُدھر نظر رکھے اور اگر اسے کوئی شبہ ہو تو ہمیں خبردار کردے۔

چودھری جی! بات میں بات نکل آئی ہے اور کرنی ہی پڑتی ہے لیکن یہ واقعہ تو میں آپ کو پھر بھی ضرور سناتا کیوں کہ اس واقعے نے اس مصیبت کو جو سیتلا مندر کے مہنت بلدیو گری کے سر پر چیلوں کی طرح منڈلا رہی تھی کچھ اور قریب کر دیا۔ میں آپ کو جمال کی کہانی بعد میں سناؤں گا۔ مگر پہلے یہ واقعہ سن لیں۔

میں بتا چکا ہوں سیتلا مندر کی پوتر گدی پر کوئی مرد مہنت نہیں بیٹھ سکتا تھا مہنت کا نامرد ہونا ضروری تھا۔ اس لیے سناتن دھرمی ہندو اسے گدی پر بیٹھنے سے پہلے ہی خصی کر دیا کرتے تھے۔ مہنت بلدیو گری کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اسے لڑکپن ہی میں اس خدمت کے لیے چن کر مردانہ صفات سے محروم کر دیا گیا تھا۔

گورو دیو نے اس شام مجھے ایک لڑکی شیلا کا قصہ سنایا جس کا جیون اس نے سپھل کرایا تھا۔ شیلا ہندوؤں کے ایک مشہور لیڈر کی لڑکی تھی۔ جب اسے شراب اور مرد کا چسکا پڑا تو ہر رات مندر کے چکر کاٹنے لگی۔ وہ اپنے گھر سے روپے بھی لے کر آتی تھی اور شراب کے ساتھ اسے ماس کھانے کی عادت بھی پڑ گئی تھی۔ جب ماں باپ نے اس کی شادی ٹھہرائی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ باپ کو فکر ہوئی کہیں لڑکی کسی سے پریم نہ کرتی ہو۔ دوسری مصیبت یہ ہوئی۔ اس کی ماں اسے ہر روز مندر پوجا کے لیے لے کر آتی اور مجھے مجبور کرتی کہ میں دھرم اُپدیش دے کر اسے بیاہ پر راضی کر دوں اُدھر شیلا نے دھمکی دے دی کہ اگر تم نے مجھے بیاہ پر مجبور کیا تو میں سارا کچا چٹھا کھول دوں گی۔ میں مجبوراً خاموش ہو گیا۔

ایک رات کوئی ایک بجے کے قریب وہ گھر پہنچی۔ ماں باپ پریشان تھے۔ بڑے

"تم سیتلا مندر کے مہنت اور اس پوتر دھرم استھان کے پنڈت ہو، تمہیں شراب پیتے ہوئے شرم نہیں آتی"۔

اچانک گورودیو کے بدن پہ کانبا (لرزہ) ساطاری ہُوا پھر وہ غصہ سے بولا۔

"تم کون ہو؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تم نے ایک سکھ کو یہاں بُلا رکھا ہے۔ یہ مندر ہے گورودوارہ یا شراب خانہ نہیں"۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ٹینکی کا ڈھکنا اٹھایا اور شراب کی بُو سونگھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو؟"

اس مرتبہ گورودیو کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ جواب میں اُس نے کہا۔

"مَیں کوئی بھی ہوں مگر شرابی نہیں۔ ہمیں پتا تھا تم یہاں شراب پیتے ہو، غیر ہندو غنڈوں کو بُلاتے ہو اور یہاں عورتیں بھی آتی ہیں۔ آج مَیں نے تم کو پکڑ لیا ہے"۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ گورودیو مدھم آواز میں بولا۔

"رنگو! یہ آدمی یہاں سے جانا نہیں چاہیے"۔

میرے لیے اشارہ کافی تھا ——— ابھی وہ آدمی دو تین سیڑھیاں اُترا ہو گا کہ مَیں نے پیچھے سے اُسے جا لیا اور گردن پکڑ لی۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

"چھوڑ دے مجھے بدمعاش!"

لیکن پھر اس کی آواز نہیں نکلی۔ مَیں نے مُنہ پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ کا مکا اس کی کن پٹی پر رسید کیا۔ وہ تڑپا، کسمسایا مگر کیا رنگو کے پنجے سے نکل سکتا تھا۔ دوسرا مکا کھاتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ مَیں اسے سیڑھیوں سے اُٹھا کر کمرے میں لے آیا پھر مشکیں کَس کر اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ گورودیو کشن کو آوازیں دے رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آتا تھا جس سے ہمیں شک گزرا کہ معاملہ کافی بگڑ چکا ہے۔ بلدیو گری

پرمیوں سے ملاپ بھی ہو جائے گا۔"

"پر ابھی ان پر ایک کشٹ سمے اور آنے والا ہے۔"

میں نے حیرت سے مہنت کی طرف دیکھا۔ وہ گم صُم بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ مجھے اس کی صورت سے ڈر لگا۔ پھر اس نے ایک جھرجھری لی اور کہا۔

"رنگو! میں نے ابھی کیا کہا تھا؟"

"کیا تمہیں یاد نہیں؟ اتنی جلدی بھُول گئے۔ ابھی تو صِرف دو گلاس پیے ہیں۔"

"بھگوان کی قسم! میں بالکل نہیں جانتا۔"

میں نے اُس کے الفاظ دہرا دیے۔ "ابھی اُن پر ایک کشٹ سمے اور آنے والا ہے۔"

"اچھا تو میں نے یہ شبد کہے تھے؟ مگر مجھے کوئی پتا نہیں۔ رنگو! شاید میری آتما بولی تھی۔"

ابھی یہ الفاظ اس کے مُنہ میں تھے کہ ایک سایہ دروازے پر اچانک نمودار ہُوا اور تیزی کے ساتھ ٹیکنی کی طرف بڑھا۔ گورو دیو اس آدمی کو دیکھ کر بُری طرح گھبرایا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ میں بھی اٹھا۔ وہ درمیانے قد، گندمی رنگ اور قریباً چالیس برس کا ایک مضبوط آدمی تھا جو سیدھا ٹیکنی کی طرف آیا اور آتے ہی گورو دیو کا گلاس جس میں ابھی دو اُنگل شراب باقی تھی یوں اُٹھا لیا جیسے چیل ماس پر اور بلّی چھیچھڑوں پر جھپٹتی ہے۔

اس نے گلاس کو سونگھا پھر غصّے سے ایک طرف پھینک دیا۔ گلاس دیوار سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ہم حیران سے کھڑے اس کے مُنہ کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

یہ سب کچھ اس طرح آناً فاناً ہو گیا کہ ہمیں "دندن" سی پڑ گئی۔ وہ گورو دیو کی طرف اُنگلی نچا کر بولا۔

رادھے اور شاہ عالمی دروازہ کے اندر کہیں پان سگرٹ کی چھوٹی سی دوکان کرتا تھا۔ اسے شیلا کے پتا نے گورو دیو کی نگرانی پر لگایا تھا۔ اگر یہاں سے بچ کر نکل جاتا تو سیدھا اسی کے پاس جاتا پھر نہ جانے کیا تماشا ہوتا۔

آتنا کچھ جان لینے کے بعد گورو دیو نے کہا۔

"رنگو! یہ آدمی خطرناک ہے۔ اب تو اس نے ٹینکی بھی دیکھی اور مجھے بھی تمہارے ساتھ شراب پیتے دیکھ لیا۔ اگر یہاں سے اس کی جان چھوٹ گئی تو یہ بدمعاش ضرور مجھے پھنسانے کی کوشش کرے گا اور میرے خلاف بیان دے گا۔"

"ہاں یہ بدلہ تو ضرور لے گا۔"

اچانک میرے اندر سویا ہُوا رنگو پھر جاگ اُٹھا۔ مَیں نے کہا۔

"مَیں اسے ختم ہی کیوں نہ کر دوں؟"

"کر دو! نہیں تو مَیں ختم ہو جاؤں گا۔"

پھر مَیں نے اس کا گلا دبایا۔ اس کے ڈیلے باہر نکل آئے۔ تیسرے چوتھے منٹ کے بعد اس کا مُردہ جسم میرے بازوؤں پر جھول گیا۔ مَیں نے اُسے پرے پھینک دیا۔ میرے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں تھا مگر مَیں بلدیو گری کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اس کے چہرے پر ذرا پریشانی نہ تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے اُٹھا اور باہر نکل گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک بوری لے آیا۔

"لو، اس میں بند کر دو۔ مَیں نے کشن کو بھیج دیا ہے۔ وہ کوئی تانگہ لے آئے۔ ابھی نو بجے ہیں اسے ٹھکانے بھی لگا آؤ۔"

مَیں نے رادھے کی لاش بوری میں بند کی اور اکیلا ہی بوری اُٹھا کر نیچے آ گیا۔ کشن تانگہ لے آیا تھا۔ گورو دیو آگے بیٹھا۔ مَیں نے لاش پیچھے رکھی اور خود بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تانگہ دھرمپورے کی طرف چل پڑا۔ گورو دیو نے کشن کو ہدایت کر دی تھی۔ وہ ٹینکی صاف کر دے اور سامان اُٹھا کر چلا جائے۔

دھرمپورہ کی نہر پر ہم نے تانگہ چھوڑ دیا اور بوری اُٹھا کر نہر کی پٹڑی پر

کہنے لگا۔

"تم اسے سنبھال کر رکھو۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں اُتر گیا مگر چند ہی منٹ میں واپس آگیا۔ کشن بھی اس کے پیچھے تھا جسے اس نے دروازے ہی سے واپس منڈیر پر بھیج دیا۔ جہاں وہ پہلے بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔

"یہ کشن کہاں تھا؟"

"نیچے ——— سڑک پر کسی کو ڈھونڈھ رہا تھا"۔

"سڑک پر کیوں، اسے تو چھت پر بٹھایا تھا"۔

"وہ کہتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے نیچے سڑک سے کسی نے اس کا نام لے آواز دی اور فوراً نیچے بلایا تھا۔ وہ سمجھا شاید اس کا کوئی ملنے والا آگیا ہے۔ چوں کہ میں نے اس جگہ ملنا جلنا بند کر دیا تھا۔ اس لیے کشن فوراً سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر سڑک پر چلا گیا۔ میرا خیال ہے آواز دینے والا یہی تھا جو شاید سیڑھیوں کے دروازے میں کہیں دُبک گیا ہوگا۔ جب کشن باہر نکل گیا تو یہ چوروں کی طرح اُوپر چڑھ آیا"۔

یہ کہانی سُن کر میں حیران رہ گیا۔ پھر قیدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ اپنے آپ کو بڑا ہوشیار سمجھتا تھا مگر اب اس کا کیا کرنا ہے"۔

"اسے ہوش آئے تو پوچھ گچھ کریں گے۔ اسے کس نے بھیجا تھا۔ یہ کون ہے؟"

چار پانچ منٹ کے بعد میں اُسے ہوش میں لے آیا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا مگر مجھے دیکھتے ہی چلّانے لگا۔

"تم شاید بچ جاؤ کیوں کہ سکھ ہو۔ پر مہنت جی نہیں بچیں گے میں جا کر سب کچھ بتا دوں گا"۔

میں نے اُلٹے ہاتھ کا ایک چانٹا دیا تو اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اس نے چلّانے کی کوشش کی مگر کپڑا اس کے منہ میں چلا گیا پوچھ گچھ کرنے کے بعد صرف اسی قدر معلوم ہوسکا۔ وہ لوہاری منڈی کا ایک سناتن دھرمی ہندو تھا۔ نام

جب میں ملک اللہ جوایا کے ڈیرے پہنچا تو سب لوگ بڑے خوش تھے اور سلطانے کے بیاہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔

سُلطانا مجھ سے مِل کر بڑا خوش ہُوا کہ میں نے اس کے لیے بڑا کام کیا اور ناممکن کو ممکن کر دِکھایا ہے ۔ میں نے کہا ۔

" سب واہگورو کی کِرپا سے ہُوا ۔ میں بھلا کیا کر سکتا تھا ۔"

سلطانے کی کہانی بیان کرتے کرتے رنگو مہتم اچانک خاموش ہو گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد خود ہی کہنے لگا ۔

" چوھدری جی ! ملک اللہ جوایا نے اپنے لے پالک پُتر سلطانے کے لیے جو کچھ کیا وہ غالباً اُس کا سگا باپ بھی نہ کر سکتا ۔ آپ سوچتے ہوں گے ملک اللہ جوایا بڑی دھوم دھام سے جنج لے کر گیا اور لاڈھلانی کو بیاہ کر لے آیا ہو گا اور ملک کے ڈیرے پر کئی روز تک بیاہ کا ہنگامہ رہا ہو گا ۔

اُن کی طرف تھوڑی دُور چلے پھر اندھیرے میں بوری نہر میں بہادی ۔ یہ سب کچھ بڑے اطمینان سے ہوا اور کسی کو ہم پر شبہ تک نہ ہو سکا ۔ واپسی پر نیا تانگہ لیا اور اسٹیشن پر آ گئے ۔

گورو دیو نے کہا ۔

"گیارہ بجے ایک گاڑی لائل پور جاتی ہے تو اسی گاڑی سے چلا جا ۔"

مَیں نے بھی یہی مناسب سمجھا ۔ جب رخصت ہوا تو مہنت بولا ۔

" رنگو ! تو نے دیکھ لیا ہے ۔ اب میری کس طرح دیکھ بھال ہونے لگی ہے خبر لیتے رہنا ۔"

مَیں نے اُسے وشواس دلایا کہ بہت جلد لَوٹ آؤں گا اور اسٹیشن پر آگیا ۔ گاڑی تیار کھڑی تھی ۔ مَیں اس میں سوار ہو گیا ۔

گاڑی روانہ ہوئی تو بد نصیب رادھے یاد آگیا ۔ جس کی بوری میں بند لاش نہر میں بہادی گئی تھی ۔ مَیں نے سوچا دو تین دن میں شاید لاش مِل جائے مگر اس کی شناخت نہ ہو سکے گی ۔ مَیں نے اُس کا حلیہ بالکل بگاڑ دیا تھا ۔ اس کی شناخت بالکل ختم کر دی تھی ۔

تقریباً تین سال کے بعد مَیں نے ایک خون کیا اور رادھے کی جان لی تھی ۔ یہ خون گورو دیو کی خاطر کیا تھا ۔ اگر ایسا نہ کرتا تو دوسرے ہی دن وہ خود حوالات میں ہوتا ۔

لائل پور کی طرف سفر کرتے ہوئے میرا آدھا دماغ گورو دیو کی طرف تھا اور آدھا دماغ اپنے یار سُلطانے کی طرف ، مگر بلد یوگری نے کہا تھا ۔ ابھی ان پر میول پہ ایک اور کٹھن سمے آنے والا ہے اور میں حیران تھا ۔ اب اور کٹھن سمے کیا آئے گا ۔

ہے ۔ لڑکی دے دو اور لڑکی لے جاؤ کا اصول چلتا ہے ۔ جن گھروں میں لڑکی نہیں ہوتی انہیں اپنے لڑکے کی شادی کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں وٹہ سٹہ کی شادی میں لڑکیاں اچھی رہتی ہیں ۔ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو تنگ کرے یا مارے پیٹے تو اسے خطرہ ہوتا ہے یہی سلوک اس کی بہن کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ جو بدلے میں دوسرے گھر بیاہی گئی ہے ۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دے دے اور چھوڑ دے تو اس کا بہنوئی بہن کا بدلہ لینے کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑ دے گا ـــــــ"

"لیکن رنگو ! چودھری سکندر نے تو وٹہ سٹہ نہیں کیا تھا ۔ تم کہتے تھے رابعہ اس کی اکلوتی لڑکی تھی ۔"

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے ۔ لیکن چودھری سکندر کا ایک بھانجا نور احمد چودھری جمال کی پھوپھی کی لڑکی زینب سے بیاہ ہوا تھا اور ان کی شادی کو پانچ چھ سال ہو چکے تھے ۔ جب چودھری سکندر نے منگنی توڑ دی اور جمال کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو اس کی پھوپھی کو بڑا دُکھ ہوا اور برادری نے مل کر فیصلہ کیا۔ تم بھی چودھری سکندر کے خاندان سے رشتہ توڑ لو اور اپنی لڑکی کو گھر بٹھا لو ۔ وہ دونوں میاں بیوی بڑے مزے میں اپنا جیون گزار رہے تھے اور اُن کے ہاں دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں ۔ برادری نے کہا لڑکی کو گھر بٹھاؤ اور دونوں بچّوں کو باپ کے حوالے کرو جب اُسے بچے پالنا پڑیں گے تو ہوش آجائے گا اور چودھری سکندر کو بھی پتہ چلے گا اس نے منگنی توڑ کر اپنے بھانجے کا گھر برباد کیا ہے ۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات سُنائی ہے تم نے ۔ مَیں واقعی بار کی اِن رسموں سے واقف نہیں تھا ـــــــ تو کیا جمال کی پھوپھی نے اپنی لڑکی کو گھر بٹھا لیا ؟"

"نہیں تو یہی بڑا خوفناک قصّہ ہے ۔"

پھر رنگو نے بقیہ کہانی یوں شروع کی ۔

اگر بات اِسی طرح ختم ہو جاتی تو کسی کا کچھ نہ بگڑتا مگر ہونی تو ہو کے رہتی ہے۔ چودھری سکندر نے لاہور میں اپنے ہونے والے جوائی کے لچھن دیکھ کر بیٹی دینے سے انکار کر دیا اور منگنی توڑ دی۔ دراصل بات یہیں ختم ہو جانی چاہیئے تھی مگر ایسا ہُوا نہیں۔"

اس پر میرے والد چونکے اور انہوں نے پوچھا۔

"تو کیا چودھری سکندر اپنے گاؤں جا کر بات سے پھر گیا تھا؟"

"نہیں جناب! چودھری سکندر تو اپنے قول پر قائم رہا اور اس نے لاہور میں جو فیصلہ کیا تھا اس پر پورا اُترا مگر چودھری جمال کی بدبختی نے اسے غلط راہ پر ڈال دیا۔ آپ کو کیا بتاؤں، چاند کی پندرھویں تاریخ کو چک سیالاں میں ایک قیامت آگئی تھی"

میرے والد حیران ہوئے۔

"جب چودھری سکندر نے جمال سے اپنی بیٹی کی منگنی توڑ دی تھی تو وہ کیا کر سکتا تھا؟"

رنگو کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ بار کے رسم و رواج نہیں جانتے۔ مَیں بھی نہیں جانتا تھا لیکن اب تو مجھے ان لوگوں سے خوف آتا ہے۔ واہگورو کی قسم! ایسے اکھڑ لوگ مَیں نے جیون میں کہیں نہیں دیکھے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر چھویاں اور برچھیاں نکال لیتے ہیں۔" رنگو کے ماتھے پر ایک ہلکی سی شکن پیدا ہوئی وہ ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"ٹھہریں! مَیں آپ کو پُوری بات سُناتا ہوں۔"

پھر ایک لمحہ ٹھہر کے کہنے لگا۔

"چودھری جی! اس علاقے میں شادی بیاہ کی بڑی عجیب رسمیں ہیں۔ اکثر گھرانوں میں وٹہ سٹہ (تبادلہ) ہوتا ہے۔ لڑکا اس وقت تک کنوارا ہی رہتا ہے جب تک اس کی بہن جوان نہ ہو جائے۔ بہن کے بدلے میں بھائی کی شادی ہوتی

لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا تھا جو آدمی شہزادے کو محل کے اندر شراب لاکر دے گا اسے پھانسی دے دی جائے گی لیکن یہ شراب ایسی کُتّی چیز ہے ایک مرتبہ جس کے مُنہ کو لگ جائے پھر اس کا پیچھا مشکل ہی سے چھوڑتی ہے ــــــــ"

میرے والد کہنے لگے ۔

" رنگو ! تجھے تاریخ بھی آتی ہے اور تُو یہ بھی جانتا ہے شراب بہت بُری چیز ہے ۔ پھر کیوں پیتا ہے ؟"

رنگو نے بُرا سا مُنہ بنایا اور بولا ۔

" کیا کروں چودھری جی ! سمجھتے بُوجھتے ہوئے پیتا ہوں اور اب یہ روگ جیون بن گیا ہے ۔ حالانکہ اس امرت جل کے ہاتھوں مجھے کئی بار ذلیل ہونا پڑا ہے " ۔

رنگو کہیں خیالوں میں کھو گیا تھا ۔ والد نے اس مسئلے پر زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا اور کہا ۔

" ہاں تُو مجھے چودھری جمال کی کہانی سُنا رہا تھا " ۔

رنگو مہتم نے ایک جھرجھری سی لی اور کہنے لگا ۔

" چودھری جمال باپ کی زندگی میں اڑھائی تین سال لاہور میں آوارہ گردی کرتا اور ہر سال فیل ہوتا رہا ۔ باپ مرگیا تو اس کا جُگا بالکل چوڑ ہو گیا ۔ اس نے چند لفنگے یار دوستوں کے ساتھ مِل کر فلم کمپنی کھول لی اور ہیرا منڈی کی ایک رنڈی سے پریم کی پینگیں بڑھانے لگا اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ سُن ہی چکے ہیں ۔ اَب مَیں آپ کو وہ قِصّہ سُناتا ہوں جو منگنی ٹوٹنے کے بعد ہُوا ۔

" جمال کیسا ہی بُرا سہی مگر پڑھا لکھا تھا ۔ اسے اتنی سمجھ تو ضرور تھی ۔ اس کے گھر والے اور سیال برادری کے لوگ جب فلم کمپنی اور کنجروں کے گھر شادی کی بات سنیں گے ۔ تو اس سے نفرت کرنے لگیں گے ۔ سیال بڑے عزّت دار اور غیرت مند لوگ ہیں ۔ وہ یہ ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کی برادری کا کوئی لڑکا کنجروں سے میل جول رکھے یہی وجہ تھی ۔ جمال نے لاہور والے واقعے پر چُپ ہی بھلی سمجھی ۔ وہ جھنگ صرف اس لیے گیا

"مَیں آپ کو بتا چکا ہوں۔ چودھری جمال بڑے باپ کا بیٹا تھا اور اپنے کاروبار کا خود کار مختار، ماں باپ کا ایک ہی لڑکا تھا اور لاڈ پیار نے اس کی عادتیں بگاڑ دی تھیں۔ اس نے دسویں جماعت تو جھنگ مگھیانہ ہی میں پاس کر لی تھی پھر باپ نے لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل کرا دیا۔ لاہور میں بُرے لڑکوں کی صحبت نے اسے بگاڑ دیا۔ وہ ہر دن کسی نہ کسی منڈوے (سینما) میں گھُسا رہتا اور کھیل تماشے دیکھتا تھا آپ سیلانے آدمی ہیں۔ جس لڑکے کو پڑھائی کے زمانے میں منڈوے کا چسکا پڑ جائے وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر کسی آدمی نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ فلم اگر خود بنائی جائے تو لاکھوں روپے کا منافع ہوتا ہے۔ باپ تو لاہور میں پڑھائی کا خرچہ بھیجتا تھا لیکن لڑکا سارا روپیہ کھیل تماشوں میں اُڑا دیتا۔ پھر اسے خود فلم بنانے کا شوق چرّایا۔ اس شوق کی اصل وجہ یہ تھی کہ فلم لائن میں سُندر سے سُندر لڑکیاں ملتی تھیں۔ جب کسی آدمی کے بُرے دن آتے ہیں تو اسے اسی قسم کے شوق لگ جاتے ہیں۔ اس صحبت میں بیٹھ کر اس کے مُنہ کو امرت جل بھی لگ گیا اور اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

چودھری جی! امرت جل تو مَیں بھی پیتا ہوں لیکن واہگورو کی سوگند کھا کر کہتا ہوں مَیں نے ۳۰ سال کی عمر تک شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ اب تو یہ عیب میرے جیون کا ساتھی بن چکا ہے مگر جو لڑکے پڑھائی کے زمانے میں شراب پینا شروع کر دیتے ہیں ان کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے۔ شراب ۳۰ یا ۳۵ سال سے کم عمر کے نوجوانوں کے پھیپھڑے گال دیتی ہے اور اس کی عمر آدھی رہ جاتی ہے۔ جمال تو اس وقت بڑی مشکل سے سترہ اٹھارہ سال کا ہو گا۔

اس عمر میں جو لڑکا شراب پینے لگ جاتا ہے وہ زیادہ دیر نہیں جیتا ——

جناب! مَیں نے سُنا ہے اکبر بادشاہ کے دو لڑکے شراب کی وجہ سے عین جوانی میں مر گئے تھے۔ جس پر بادشاہ نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ سلیم کی شراب پر پابندی

ہے لیکن یہ توسیالوں کا بڑا گھر تھا۔ اس گھر سے تو بڑی اُمیدیں تھیں ۔ غرض ہر طرف ہنگامہ بپا تھا۔ جمال نے یہ سب کچھ دیکھا تو اس کے دل کو بڑا دھکا لگا اور اب اسے محسوس ہُوا جوں ہی اس نے خبر سُنائی کہ شادی نہیں ہوگی تو خوشی کی محفلیں ماتم کدہ بن جائیں گی۔ برادری میں بدنامی الگ ہوگی ۔

مَیں نے آپ کو یہ تو بتا دیا ہے ۔ بار کے لوگوں میں وَٹّہ سَٹّے کی شادیوں کا رواج ہے لیکن یہ ابھی تک نہیں بتایا۔ ان میں کسی لڑکے کی منگنی ٹوٹ جانا بہت بڑی توہین اور ہتک سمجھی جاتی ہے ۔ وہ لوگ سینکڑوں ہزاروں باتیں گوارا کرلیں گے لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے لڑکے کی منگنی ٹوٹ جائے ۔ اگر کسی کی منگنی ٹوٹ جائے تو گھر گھر باتیں ہوں گی اور عورتیں اس لڑکے کی ماں، بہنوں، پھوپھیوں، چاچیوں کو طعنے دیتی اور یاد دلاتی رہیں گی ——

" تمہارے مُنڈے کی منگ کوئی دوسرا بیاہ کرلے گیا تھا۔ اگر تم میں کچھ غیرت ہوتی تو اپنی منگ کسی دوسرے گھر نہ جانے دیتے "

یہ طعنہ زندگی بھر ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور گالی بن کر ساتھ چپک جاتا ہے اب جمال نے سوچا شریکا برادری کے سب چھوٹے بڑے اسے طعنے دیں گے اس کی غیرت کا مذاق اڑائیں گے اور ایسی بدنامی ہوگی کہ قبر تک ساتھ جائے گی ۔

لیکن دوسری بدنامی اس سے بھی بڑی تھی ۔ اگر شریکے کو پتہ چل گیا۔ سیالوں کے لڑکے نے لاہور میں فلم کمپنی کھول رکھی ہے جس میں رنڈی بھڑوے کام کرتے ہیں تو کیا تماشا ہوگا ۔ چلو یہ تو پھر کاروبار ہے ۔ جب لوگ سُنیں گے ایک لاکھ روپیہ فلم پر لگانے کے بعد چار پانچ لاکھ آسانی سے مل سکتا ہے تو شاید وہ چُپ ہو جائیں لیکن کنجروں کے گھر بیاہ والی بات تو چھچھوندر بن کر گھومتی پھرے گی ۔

وہ دونوں طرف سے پھنسا ہُوا تھا اور اس میں اتنی جرأت نہ تھی اپنی ماں ہی سے بات کر سکتا جو اس وقت بڑی چودھرائن بنی بیٹے کے بیاہ کی خوشی میں بھاگی پھرتی تھی مگر کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا ۔

تاکہ گھر والوں کو بتا آئے کہ اَب چودھری سکندر کے گھر شادی نہیں کرے گا۔

اُدھر تو لاہور میں یہ گُل کِھلا اور چودھری سکندر کے انکار سے جمال کے تمام سنہرے سپنے ٹُوٹ پھُوٹ گئے۔

اپنی زمینیں بیچ کر اس نے فلم کمپنی بنائی اور رہا سہا روپیہ رنجنا کے پریم میں برباد کیا مگر وہ رابعہ سے اس لیے بھی شادی کرنا چاہتا تھا کہ وہ چودھری سکندر کی اکلوتی کنیا تھی۔ سب لوگ سمجھتے تھے۔ چودھری بیٹی کو سونے سے پیلی کر دے گا۔ گہنے لتّے کے علاوہ چالیس پچاس ہزار نقد بھی دے گا اور جہیز میں کچھ نہیں تو کم از کم پندرہ سولہ مربعے ضرور دان کرے گا۔ جمال سوچتا تھا۔ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی سے یہ مال ہولے ہولے ہتھیا لے گا اور فلم بنا کر رنجنا کو بھی خوش کر دے گا مگر میری اور مہنت بلدیو گری کی کوششوں سے اس کا بھانڈا لاہور کے کنجر محلّے میں پھُوٹ گیا۔

اب اِدھر کی بات سُنیں۔ سیالوں کے بڑے گھر بیاہ کا سدّھا (بلاوا) تھا اور جمال کی ماں نے دو دن پہلے ہی "میل" بُلا لیا تھا۔ اِرد گرد کے چکوّں اور دیہاتوں سے سیال برادری کے راٹ چودھری بڑی شان بان کے ساتھ اپنی گھوڑیوں پر سوار ہو کر جھنگ پہنچ چکے تھے اور چودھری جمال کی واپسی سے پہلے ہی اِتنا میل جمع ہو گیا تھا جیسے کوئی میلہ لگ رہا ہو۔

جب جمال لاہور میں اپنی دُنیا لٹا کر گھر پہنچا تو عجب لہر بہر تھی۔ راٹھ چودھری طرّے دار پگڑیاں باندھے اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اعلیٰ لباس پہنے مہمان خانے میں موجود تھے۔ بھانڈ مراثی نقلیں کر رہے تھے۔ ہر طرف شور بپا تھا۔ بے فکرے سیال چودھری کام کاج چھوڑ کر دو تین روز شادی کا موج میلا دیکھنے آئے تھے۔ ادھر زنان خانہ میں ڈھولک بج رہی تھی۔ لڑکیاں اور عورتیں شوخ، بھڑکیلے اور سونے چاندی کی مقیش سے جِھل مِل کرتے کپڑے پہنے زیور گہنے سے لدی پھندی جمال کے سہاگ کی گھوڑیاں گا رہی تھیں۔ نائنیں اور بروالیاں اِدھر اُدھر بھاگی پھر رہی تھیں۔ آپ نے سُنا ہو گا بیاہ والے گھر کی نائن مشہور ہوتی

بوڑھی ماں نے ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ لیے۔ جمال نے جواب دیا۔

"وہ ملک اللہ جوایا کو لے کر میرے پیچھے پیچھے لاہور گیا تھا۔ اُس نے مجھے کہہ دیا ہے جنج لے کر اس کے گھر نہ جاؤں وہ اپنی لڑکی کا ڈولا نہیں دے گا۔"

یہ خبر سُن کر ماں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور پیچھے سے آواز آئی۔

"کون ڈولا نہیں دے گا؟"

بوڑھی چودھرائن ماتھے پہ ہاتھ مار کے وہیں سر پکڑ کے بیٹھ گئی آنے والا اس کا دیور اور جمال کا چاچا چودھری حیات تھا۔ جب اُسے دیکھا تو چودھرائن دُکھی آواز میں بولی۔

"اسی سے پوچھ۔ یہ کہتا ہے۔ چودھری سکندر ڈولا نہیں دے گا اُس نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔"

"اُس نے رشتے سے انکار کر دیا ہے؟"

"آہو چاچا! چودھری مجھے لاہور میں ملا تھا۔ اس نے میری بے عزتی کی اور بتایا وہ اپنی بیٹی رابعہ کی شادی ملک اللہ جوایا کے کامے سلطانے کے ساتھ طے کر چکا ہے اور چاند کی پندرھویں کو وہی جنج لے کر آئے گا۔"

چودھری حیات کے لیے بھی یہ خبر ایک اچنبھا تھی۔ سکندر نے ملک اللہ جوایا کو صاف انکار کر دیا اور بار بار یہی کہا تھا۔ سلطانا ایک کامے کا لڑکا ہے اور میں اسے لڑکی دے کر برادری میں اپنی ناک نہیں کٹوانا چاہتا۔ اب اس نے ناک کٹوانا کیوں قبول کر لیا؟

چاچے نے بھتیجے کو اپنے پاس بٹھا کر بڑے غصّہ کی حالت میں سارا قصّہ سُنا۔ جمال نے اصل بات تو نہیں بتائی کہ چودھری سکندر اور ملک اللہ جوایا اس کے پیچھے لاہور کیوں پہنچے تھے البتہ اس نے چودھری کے جواب کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور چودھری حیات یوں تڑپ اُٹھا، جیسے یہ نمک مرچ اس کے زخموں پر لگایا گیا ہو۔

جمال کے گھر میں داخل ہوتے ہی ہر طرف شور مچ گیا تھا ——— "لاڑا آ گیا ——— لاڑا آ گیا" مگر انہیں کیا خبر تھی لاڑا تو اپنا سب کچھ لُٹا آیا ہے۔ اُسے اداس اور غمگین دیکھ کر ماں کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے سوچا۔ رب خیر کرے۔ پتّر دوہٹی کے لیے گہنا لتّا لینے گیا تھا۔ کہیں لاہور میں چوری نہ ہو گئی ہو۔

اس نے بیٹے کو اندر بلایا اور اُداسی کی وجہ پوچھی۔ جمال کہنے لگا۔

"ماں! میں بیاہ نہیں کروں گا۔"

ماں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیوں پُتّر! لاہور میں کوئی دوسری لڑکی پسند کر آیا ہے پر قسم ہے رب رسولؐ کی میری رابعہ کی جُوتی برابر بھی نہ ہوگی۔"

جمال تُنک کر بولا۔

"ماں! اب میرے سامنے رابعہ کا نام نہ لینا۔ مَیں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ڈھولک بند کرا دے اور سب سے کہہ دے واپس چلے جائیں۔"

"جمال پُتّر! تُو کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا۔ سارے شریکے کو سدّھا بھیج کر بلایا ہے۔ ربّ سائیں نے اتنی مدت کے بعد مجھے یہ خوشی کا دِن دکھایا۔ مَیں کیوں کسی کو واپس کروں، تجھے ہو کیا گیا ہے؟"

اب جمال کو کُھلنا ہی پڑا۔ غصّہ میں مُنہ بنا کر کہنے لگا۔

"مجھے کچھ نہیں ہُوا ماں! چودھری سکندر سیال کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"رب سائیں نہ کرے پُتّر! سوہرا تو باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ اسے ایسی باتیں نہیں کہتے۔"

"ماں! میں سچ کہتا ہوں۔ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ چودھری سکندر نے منگنی توڑ دی اور رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اب جنج نہیں جائے گی۔"

"ہائے ہائے میں مر گئی، پُتّر! یہ تُو نے کیا بات سُنائی ہے۔ چودھری سکندر نے منگنی کیوں توڑ دی ——— ہُوا کیا ——— وہ تجھے کہاں ملا تھا ———؟"

# ۱۰ بجلیاں چمکنے لگیں

چودھری حیات ۔ جمال کا چاچا اُس سارے فساد کی جڑ ہے جو بعد میں پیدا ہُوا ۔ وہ بے وقوف نہ تھا اور اتنی بات ضرور جانتا تھا ۔ چودھری سکندر نے بے وجہ جواب نہ دیا ہوگا ۔ اس نے جمال کی کوئی ایسی کمزوری دیکھ لی ہوگی جس کے بعد رشتہ دینے سے انکار کر دیا ۔ ورنہ وہ بات سے پھرنے والا آدمی نہ تھا ۔

وہ اپنے بھتیجے کو لے کر الگ بیٹھ گیا اور اُس سے پوچھنے لگا کہ بات کیا ہوئی اور چودھری سکندر نے منگنی آخر کیوں توڑ دی ؟

جمال کہنے لگا ۔

"چاچا ۔ ——! میں تو کہتا ہوں جو کچھ ہو چکا اس پر مٹی ڈالو ۔ اب میں بھی وہاں بیاہ نہیں کرنا چاہتا ۔ کبھی وقت آیا تو دیکھ لیں گے ۔ اس وقت برادری کو کل کی روٹی دے کر رخصت کر دو ——"

چودھری حیات بھڑک اُٹھا ۔

بوڑھی یاں صدمے سے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ نائنیں اور بروالیاں ہوا کی طرح اُڑتی ہوئی آئیں اور بے ہوش چودھرائن کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ ڈیوڑھی میں ڈھولک کی تھاپ رُک گئی۔ عورتوں کے لبوں پر سہاگ کی گھوڑیاں دم توڑ گئیں اور ہر کسی نے چودھرائن کی بے ہوشی کی خبر کو حیرت اور تعجّب کے ساتھ سنا۔ وہی گھر جہاں تھوڑی دیر پہلے شادی کے گیت گونج رہے تھے۔ گھوڑیاں اور چھن پڑے گائے جا رہے تھے، اب ماتم خانہ نظر آ رہا تھا۔ ڈیوڑھی سے نکل کر لڑکیاں، عورتیں اور سہاگنیں بھاگم بھاگ اندر پہنچیں۔ چودھرائن کو بڑی دیر اور بڑے جتن سے ہوش آیا لیکن اس کی آنکھوں سے ابھی تک دِل کا غم جھلک رہا تھا۔

جمال نے ماں کے ہاتھ پاؤں دبائے اور ایک آدمی اسی وقت حکیم نند لال اروڑا کی طرف دوڑا دیا کہ وہ حکیم جی کو لے کر فوراً پہنچ جائے۔

آپ حیران ہوں گے۔ مجھے جمال کے گھر میں ہونے والے ہنگامے کی خبر کہاں سے معلوم ہو گئی۔ مَیں تو چاند کی تیرھویں کو گوردیو کے ساتھ لاہور کے سیتلا مندر کی چھت پر بیٹھا وائٹ ہارس پر سوار فضاؤں میں اُڑتا پھر رہا تھا۔ اُسی رات بدنصیب رادھے میرے ہاتھوں ختم ہُوا اور لاہور کی نہر میں بہا دیا گیا تھا۔ مگر چودھری جمال کے گھر میں جو ہنگامہ اُٹھا۔ یا جو مَنتا (منصوبہ) تیار کیا گیا اس کا پتا مجھے بعد میں چلا اور پتا بھی حکیم نند لال اروڑا کے ذریعے چلا۔

مَیں نے آپ کو بتایا ہے۔ جمال کی ماں منگنی ٹوٹنے کی خبر سُن کر غش کھا گئی تھی اور جمال نے فوری طور پر حکیم نند لال کو بُلایا تھا، جو فوراً سیالوں کی حویلی میں پہنچ گیا لیکن حکیم نند لال اِتنا گہرا آدمی تھا کہ اُس نے یہ سب باتیں مجھے بعد میں بتائیں۔ کچھ باتیں ماں جی اور ملازمائی کو ان عورتوں سے معلوم ہوئیں۔ جو سیالوں کے میل میں شریک تھیں۔ اس لیے جو باتیں مَیں نے بیان کی ہیں یا جو آگے بیان کروں گا۔ اگرچہ سُنی سنائی ہیں لیکن ہیں بالکل درست۔

بڑی حویلی میں بڑے بڑے راٹھ چودھریوں کو ٹھہرایا گیا تھا جن کی سڈول گھوڑیاں حویلی کے احاطے میں بندھی تھیں۔ چودھری حیات بھتیجے کو لے کر بڑی حویلی میں آگیا۔ اس نے گنتی کے چند چودھری جو دانے پردانے سمجھے جاتے تھے ایک بیٹھک میں بلائے اور بتایا کہ چودھری سکندر نے ڈولا دینے سے انکار کر دیا ہے۔ سب لوگ یہ خبر سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔

ایک بوڑھے نے پوچھا۔

"چودھری حیات! تم کیا چاہتے ہو؟"

"اگر سیالوں کی منگ ملک بیاہ کر لے گئے تو ساری برادری کی توہین ہوگی اور لوگ سیالوں کو حقیر اور کمزور سمجھیں گے۔ میں چاہتا ہوں ڈولا ہر حال میں آنا چاہیے۔ یہ ہم بعد میں دیکھیں گے لڑکی کو بسائیں یا طلاق دے دیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

ایک اور آدمی بولا۔

"مجھے چودھری حیات کی بات پسند ہے۔ یہ صرف جمال کے بیاہ کی بات نہیں۔ سیالوں کی عزت کا معاملہ ہے اور ہم چھویوں اور برچھیوں سے بھی اپنی عزت کی حفاظت کریں گے۔"

سوائے اس بوڑھے کے جس نے چودھری حیات سے پہلے بات کی تھی۔ سب راٹھ چودھری یہی چاہتے تھے۔ جنج ضرور جائے اور رابعہ کا ڈولا زبردستی لے آنا چاہیے لیکن بوڑھے کا خیال تھا۔ لڑائی جھگڑے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر چودھری سکندر نے پولیس بلوائی تو کام زیادہ بگڑ جائے گا اور ہماری بدنامی ہوگی۔"

"مگر جب تک پولیس پہنچے گی ہم ڈولا لے کر واپس آچکے ہوں گے"۔

بوڑھے چودھری نے دونوں ہاتھ اُٹھا دیے۔

"ذرا صبر کرو۔ بُرے کام کا نتیجہ بھی بُرا نکلتا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں پہلے چودھری سکندر سے مل کر پوچھنا چاہیے کہ منگنی کیوں توڑ دی۔ ہو سکتا ہے اس نے لڑکے

" اوئے لڑکے! تو بھی یہی چاہتا ہے برادری کے لوگ ساری عمر ہمیں طعنے دیں دُنیا سیالوں پر اُنگلیاں اُٹھائے اور ہم کہیں اُٹھنے بیٹھنے جوگے نہ رہ جائیں۔ چودھری سکندر ہمیں ذلیل کر کے سر اُونچا نہیں رکھ سکتا اور نہ ہماری منگ ملک اللہ جوایا لے جا سکتا۔ آخر تجھے ہو کیا گیا ہے۔ اگر اپنا نہیں، میرا نہیں تو اس بوڑھی ماں کی عزّت کا کچھ خیال کر اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کر۔ کل جنج ضرور جائے گی اور رابعہ کا ڈولا یہاں آئے گا۔ اس کے بعد تیری مرضی ہے تو اُسے بسائے یا طلاق دے دے۔"

" مگر چاچا ——— ! چودھری سکندر ڈولا نہیں دے گا۔"

"اُسے ڈولا دینا ہی پڑے گا۔ تو کیا سمجھتا ہے میں بے وقوف ہوں یا مجھے اپنے گھر کی عزّت کا خیال نہیں ؟" چودھری حیات کہنے لگا۔

" پُتّر! اگر تیری طرح میں بھی چُپ کر کے بیٹھ گیا تو دُنیا میرے منہ پر تھوکے گی۔ میرا جینا حرام کر دے گی۔ لوگ کہیں کے جمال تو لڑکا تھا۔ اسے بُرے بھلے کی تمیز نہ تھی مگر کیا چاچے کی بھی مت ماری گئی تھی اس نے کیوں نہ کچھ کیا۔"

جمال کی ماں حکیم نند لال کی دوا سے ٹھیک ہو گئی تھی۔ وہ بھی ان کے پاس آ گئی۔

" ٹھیک ہے پُتّر!" چودھرائن بولی۔ " تیرے چاچے کی بات ٹھیک ہے۔ اب تو وہی کر جو یہ کہتا ہے۔ آخر ہمارے بھلے کی ہو گی۔"

چودھری حیات نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

" آمیرے ساتھ، میں ابھی فیصلہ کیے دیتا ہوں ہمیں کیا کرنا پڑے گا۔"

جمال کی ماں نے اپنے دیور کے سامنے آنچل بچھا دیا اور کہنے لگی۔

" حیات! اب ہماری عزّت، زندگی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر جنج نہ گئی۔ ڈولا نہ آیا تو میں جیتے جی قبر میں چلی جاؤں گی۔"

چودھری حیات نے اُسے تسلّی دی اور جمال کو ساتھ لے کر باہر نکلا۔

نے کہا ــــــــــ

"ہم ان بچّوں کو کل نورے کے پاس پہنچا دیں گے"۔

زینب نے یہ عجیب و غریب فیصلہ سُنا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ اپنے خاوند سے بہت پیار کرتی تھی۔ دونوں کا آپس میں بڑا سلوک تھا مگر اب جمال کی پھوپھی اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی ــــــــــ

"برادری کی خاطر تجھے یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ جب چودھری سکندر کو معلوم ہوگا، اس کے بھانجے کا گھر اُجڑ رہا ہے تو رابعہ کا رشتہ دینے پر تیار ہو جائے گا"۔

زینب پہلے تو خاموش رہی پھر اس نے جواب دیا:

"مَیں کل بتاؤں گی"۔

جب دوسرے دن کا سورج چڑھا اور جانجی تیار ہو کر گھوڑیوں پر سوار ہونے لگے تو چودھری حیات اور اس کی بہن دونوں زینب کو ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر پتا چلا صبح کی نماز کے وقت وہ اپنے دونوں بچّوں کو ساتھ لے کر مُنہ اندھیرے ہی باہر نکل گئی تھی۔ پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ زینب بچّوں کو لے کر جا چکی تھی۔ جمال کی پھوپھی نے سر پیٹ لیا۔ پہلا شگون ہی کچھ اچھا نہ تھا۔

سُورج سوا نیزے بلند ہو چکا تھا۔ جب سیالوں کی جنج چک سیالاں کی طرف روانہ ہوئی مگر نہ ڈھول تاشے بجے۔ نہ عورتوں نے گھوڑیاں گائیں۔ نہ کوئی دوسری رسم ادا ہوئی۔ کوئی عورت اور لڑکا بالا جنج میں شریک نہ تھا۔ بعض جوان اور بڑے بوڑھے بھی شامل نہ ہوئے اور اپنے چکّوں اور گاؤں کو لوٹ گئے۔

جنج میں کُل ۹۹ آدمی تھے اور ان میں ہر کوئی کسی نہ کسی ہتھیار سے مسلّح تھا۔

چک سیالاں جھنگ اور شمیر کے درمیان واقع ہے۔ جہاں چودھری سکندر اس آنے والی قیامت سے بے خبر اپنی بیٹی کو سلطانے کے ساتھ وداع کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

چودھری حیات کا منتا (منصوبہ) یہ تھا۔ سلطانے کی جنج سے پہلے ہی جمال کی

میں کوئی عیب دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا ہو"۔

"چودھری جی ! چلو میرے بھتیجے جمال میں دس ہزار عیب ہوں گے۔ میں مان لیتا ہوں لیکن سکندر کا فرض تھا وہ منگنی سے پہلے لڑکے کو دیکھتا اور اگر وہ عیبی تھا تو منگنی نہ کرتا۔ جمال کل پرسوں تک تو ٹھیک تھا۔ آج وہ عیبی نظر آنے لگا ——— میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ یہ سب ملک اللہ جوایا کی شرارت ہے اور وہ سیالوں کو بے عزت کرنا چاہتا ہے"۔

دوسرے لوگوں نے بھی چودھری حیات کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اگر جمال عیبی ہے پھر بھی یہ شادی اب ہو کر رہے گی"۔

بوڑھا آخر دم تک مخالفت کرتا رہا لیکن چودھری حیات نے اپنا متا تیار کر لیا۔ سیال برادری کے تقریباً ڈیڑھ سو آدمی شادی پر جمع ہو چکے تھے۔ جن میں ستر اسی گھبرو جوان تھے۔ حیات نے راتوں رات چھویوں اور برچھیوں کا بندوبست کر لیا۔ تین چودھریوں کے پاس بندوقیں بھی تھیں پھر مردوں سے نکل کر یہ بات عورتوں تک پہنچ گئی کہ رابعہ کے باپ نے ڈولا دینے سے انکار کر دیا مگر جنج کل ضرور جائے گی اور سیال اپنی عزت کو ہر قیمت پر بچائیں گے۔ سب کا یہی خیال تھا چودھری سکندر جب سیالوں کے ہاتھوں میں چھویاں، برچھیاں اور بندوقیں دیکھے گا۔ جب اسے ہر جانجی کے ماتھے پر غصے کی سلوٹیں نظر آئیں گی تو آپ سے آپ لڑکی کا ڈولا روانہ کر دے گا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو پھر سیال اسے اپنے ہاتھ دکھا دیں گے۔

جمال کی پھوپھی زاد بہن زینب چودھری سکندر کے بھانجے نورے کے ساتھ بیاہی ہوئی اور اپنی ماں کے ساتھ میل میں شریک تھی۔ اس کا خاوند اپنے ماموں چودھری سکندر کی طرف شریک ہوا تھا۔ تاکہ دونوں طرف کے رشتہ داروں کو خوش کیا جا سکے۔ چاند کی چودھویں رات کو سیال پنچوں نے یہ فیصلہ بھی کیا۔ اب زینب اپنے خاوند نورے کے گھر نہیں جائے گی۔ اگر منگنی ٹوٹ سکتی ہے تو ایک شادی شدہ عورت بھی اپنے خاوند کو چھوڑ سکتی ہے۔ زینب کے دو بچے بھی تھے اور دونوں ماں کے ساتھ آئے تھے۔ چودھری حیات

میں بتا چکا ہوں ۔ چاند کی چودھویں کو میں لاہور میں تھا ۔ جہاں تین سال کے بعد میں نے مہنت بلدیوگری کی خاطر پھر ایک خون کیا اور رادھے کو بوری میں باندھ کر دھرم پورے والی نہر میں بہا دیا تھا ۔

اسی رات گاڑی میں سوار ہو کر میں لائل پور سے ہوتا ہوا شیخوپورہ اور وہاں سے ملک اللہ جوایا کے ڈیرے پر پہنچ گیا ۔ اس سفر میں بلدیوگری ایک بھوت کی طرح میرے ذہن پر سوار تھا اور میں یہی سوچتا رہا وہ غلط راہ پر ضرور چل نکلا ہے لیکن دل کا بُرا آدمی نہیں ۔ اگر اسے لڑکپن میں خصی کر کے مہنت کی گدّی کے لیے نہ چُن لیا جاتا اور اس کی جنسیت کچل نہ دی گئی ہوتی تو وہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتا ——— یا پھر ڈاکو اور قاتل ہوتا لیکن قاتل تو وہ اب بھی تھا ۔ کم از کم رادھے کا خون اُسی کی گردن پر تھا اور میں حیران تھا ۔ اس لاش کو دیکھ کر بلدیوگری کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار پیدا نہ ہوئے تھے ۔ اس نے ہر کام بڑے

جنج لے کر پہنچ جائے اور چودھری سکندر کی حویلی کو گھیر لے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بندوبست بھی کیا تھا کہ چک میں پہلے پہنچ کر چالیس پچاس جوانوں کو کشمیر کی طرف جانے والے رستے پر بٹھا دے تاکہ وہ سلطانے کی جنج کو چک سے باہر ہی روک دیں اور اسے چودھری سکندر کی حویلی تک نہ پہنچنے دیں۔

یہ اُس خوفناک آگ کا دھوآں تھا جو چاند کی پندرھویں تاریخ کو چک سیالاں میں بھڑکنے والی تھی۔ یہ اس کالے بادل کی بجلیاں تھیں جو سلطانے اور لاڈو رانی کے بیاہ پر گرجنے برسنے والا تھا۔

مَیں نے ماں جی کو پرنام کیا اور ہار بڑھا کر کہا۔

"ماں جی! یہ آپ کی بہورانی کے لیے لایا ہوں"۔

اس نے ہار دیکھا تو خوشی کے مارے آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ پھر کپکپاتی آواز میں بولی۔

"پُتّر! مجھے کیوں دیتا ہے۔ سُلطانے کی چاچی کے پاس لے جا۔ بیٹا تو یہ انہی کا ہے۔ مَیں تو بس اس کی نوکرانی ہوں"۔

مَیں نے جواب دیا۔

"میری طرف سے یہ تحفہ تمہی ملکانی کو دے دینا۔ سُلطانا ان کا پُتّر سہی مگر مَیں تو تمہارا پُتّر ہوں"۔

ماں جی نے میری پیشانی کو چُوم لیا اور کہا۔

"ہاں ——— تُو میرا پُتّر ہے"۔

مجھے اس بوسے کی لذّت آج تک یاد ہے۔ ان بوڑھے ہونٹوں میں اگرچہ جیون کی گرمی کم ہو چکی تھی لیکن ممتا کی تڑپ نہ ورتھی۔ ہار کا ڈبّہ ماں جی کو دے کر ہم دونوں حویلی میں آئے۔ غلام رسول ایک گھوڑی کو چارہ ڈال رہا تھا۔ جس پر زین کسا ہُوا تھا۔ سُلطانا کہنے لگا۔

"غلام رسول! یہ تو حکیم نندلال اروڑا کی گھوڑی ہے"۔

"ہاں، وہ ابھی آئے ہیں۔ ملک جی انہی سے باتیں کر رہے ہیں"۔

ہم یہی سمجھے ملک نے انہیں بھی جنج کے ساتھ چلنے کے لیے بلایا ہوگا لیکن تھوڑی دیر کے بعد حکیم نندلال ملک کے ساتھ ہی حویلی سے باہر آیا اور صاحب سلامت کر کے گھوڑی کی طرف بڑھا۔ پھر غلام رسول نے اسے سوار ہونے میں مدد دی اور وہ جدھر سے آیا تھا اُسی طرف چلا گیا۔ مَیں نے پُوچھا۔

"ملک جی! کیا نندلال جنج کے ساتھ نہیں جائے گا؟"

"نہیں، وہ کسی اور کام سے آیا تھا"۔

اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا تھا جیسے رادھے کی بجائے کوئی آوارہ کتّا کمیٹی کا پھینکا ہُوا کچلا کھا کر مر گیا ہو۔

راستے میں جب مجھے یاد آیا۔ میں نے رادھے کو گورو دیو کے حکم پر پکڑا اور گلا گھونٹ کے مار دیا تھا تو مجھے اس کی شخصیت اور بھی عجیب و غریب معلوم ہونے لگی۔ کیا وہ اس سے پہلے بھی اِنسانوں کو ہلاک کراتا رہا ہے؟

ہولے ہولے سیتلا مندر کا مہنت میری سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سلطانے اور لاڈو رانی کی پریم کہانی سُن کر اِن پریمیوں کو دیکھنے کی خواہش بھی کی تھی لیکن کیوں؟ ——— وہ سُلطانے اور لاڈو رانی سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟

اِسی قسم کی باتیں سوچتا ہُوا میں سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ملک کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ سلطانا مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بغلگیر ہو کر ملا۔

"رنگو! میں ڈرتا تھا کہیں تمہیں دیر نہ ہو جائے۔ تم لاہور میں کیوں ٹھہر گئے تھے چاچے کے ساتھ ہی آجاتے۔"

"اگر میں ٹھہر گیا تھا تو آ بھی گیا ہوں۔ پگلے! تیری لاڈو رانی کے لیے کوئی سوغات نہ لاتا ———؟"

یہ کہہ کر میں نے سونے کا ایک ہار اس کی طرف بڑھا دیا جو لاہور کے سوہا بازار سے چار سو روپے میں خریدا تھا۔ ہار دیکھ کر وہ خوش ہُوا اور بولا۔

"میرے لیے کُچھ نہیں لائے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"تیرے لیے رنگو کے تحفے نہیں رنگو ہی کافی ہے۔"

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

"اچھا یہ ہار تم اپنے ہاتھ سے ماں کو دے دو۔ وہ خوش ہو جائے گی۔ پھر ہم دونوں چاچے کی طرف جائیں گے۔"

گُن یہ تھا۔ وہ اپنی پریشانی دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیتا لیکن ایسی حالت میں وہ بار بار ہاتھوں کو جھٹکتا تھا۔ اسی سے میں نے اندازہ لگایا۔ کوئی نہ کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہونے والی ہے۔ آخر پوچھ ہی لیا۔

"ملک جی! کیا بات ہے۔ تم پریشان کیوں ہو؟"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر اوپری سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"رنگو پتر! ——— تیرے وہم کا کوئی علاج نہیں۔ تیرے اور سلطانے پتر کے ہوتے بھلا مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"

"اچھا وہ حکیم نند لال اروڑہ صبح ہی صبح کیوں آیا تھا؟"

"اب کوئی میرا بیلی مجھ سے ملنے بھی نہ آئے؟"

"ملک جی! تم رنگو کی آنکھوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"کیا دیکھا ہے تیری آنکھوں نے؟"

"بہت کچھ دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے حکیم نندہ یونہی نہیں آیا تھا۔"

"بھئی یونہی کون آتا ہے ......" پھر وہ ایک طرف دیکھنے لگا۔

اس نے بڑی بے چینی کے ساتھ اپنا دایاں بازو دو تین بار جھٹک دیا اور میرے ذہن پر جیسے ہتھوڑے کی ضرب پڑی۔

ملک کوئی بات مجھ سے چھپا رہا تھا۔

اس اثنا میں ڈیرے کے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ وہ بالکل تیار ہو کر نکلے تھے۔ حویلی کے اندر سلطانے کو نہلایا اور کھارے سے اُتارا جا رہا تھا۔ عورتوں کے پُرسوز گیت کی مترنم آوازیں ہم سُن رہے تھے۔ انھوں نے پنجاب کا مشہور لوگ گیت چھیڑ رکھا تھا۔

ع "نی ایس ویلے دے نال ماما لوڑی دا"

(یعنی یہ وہ وقت ہے کہ ماموں کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے بھانجے کو کھارے

پھر اس نے سُلطانے سے کہا وہ فوراً کپڑے بدل کر تیار ہو جائے ۔ غلام رسول اور عبدل کو ڈیرے کے آدمیوں کی طرف بھیج دیا کہ وہ بھی دیر نہ لگائیں جلدی آجائیں ۔ ملک کے انداز سے معلوم ہوتا تھا ۔ وہ صبح ہی صبح جنج لے کر ڈیرے سے نکل جانا چاہتا ہے مگر ملکانی کہنے لگی ______

" رب سائیں خیر کرے ۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے ۔ مَیں تو ابھی اپنے پُتّر کو کھارے سے اُتاروں گی ۔ سہرا باندھوں گی پھر گھوڑی چڑھاؤں گی ۔"

" جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے ______ سُلطانے ! میری بات سن ۔ عورتوں کے چونچلوں میں نہ رہنا ۔ مَیں تجھے دس منٹ کے اندر اندر تیار دیکھنا چاہتا ہوں ۔ اگر ہم نے دیر کر دی تو یاد رکھ یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا ۔"

سُلطانے نے حیران ہو کر پوچھا ۔

" بات کیا ہے چاچا !"

" جو کچھ مَیں کہتا ہوں وہ کر اور جلدی تیار ہو جا ۔"

پھر وہ ملکانی سے مخاطب ہُوا ۔

" کرماں والی ! لڑکے کو جلدی کھارے سے اُتار دے ۔ ہم دوپہر سے پہلے چک سیالاں پہنچ جانا چاہتے ہیں ۔ اگر تُو نے شگنوں میں دیر کر دی تو کام بگڑ جائے گا ۔"

پھر ملکانی تو سُلطانے کو لے کر حویلی کے اندر چلی گئی اور ملک ' غلام رسول سے جو ابھی لوگوں کو سدھا دے کر آیا تھا ۔ کانا پھُوسیوں میں مصروف ہو گیا مَیں نہیں جانتا اس نے کیا کہا لیکن ایک لمحے کے لیے غلام رسول کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور مجھے اس کی آنکھوں سے خوف جھانکتا نظر آیا پھر ڈیرے کے حجرے کی طرف چلا گیا ۔

اب ملک میرے پاس آیا ۔ اس کے ماتھے پر فکر کی لکیریں تھیں اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ۔ وہ بہت کھویا کھویا ' ڈوبا ڈوبا دکھائی دیتا تھا مگر اس کے بازوؤں کی ہر حرکت بے چینی کا اظہار کر رہی تھی ۔ ملک اللہ جوایا میں ایک خاص

"رانی تیار ہو جا۔"

ملک نے اس کا نام رانی رکھا تھا۔ دوسری گھوڑیوں کے درمیان وہ واقعی رانی نظر آتی لیکن لاڈو کے سامنے اس کا رُوپ بھی ماند پڑ جاتا۔ لاڈو تو مہارانی تھی۔

ملک کے اشارے پر عبدل رانی اور مُشکی کو ہمارے پاس لے آیا۔ ان پر کاٹھیاں ڈالی جا چکی تھیں۔ مَیں نے آگے بڑھ کر مُشکی کی لگام تھام لی اور ملک کی آواز سُنی، وہ کہہ رہا تھا۔

"رنگو! سوار ہو جا، بس اب سلطانا بھی آنے والا ہے۔ عبدل! تُو لاڈو کو حویلی کے دروازے پر لے جا۔"

پھر اس نے بھی رکاب میں پاؤں رکھا اور رانی کی لگام اس طرح کھینچی کہ وہ اپنے پچھلے پاؤں پر الف ہو گئی۔ اس کی ہنہناہٹ کی آواز گھنٹیوں کی مانند گونجی اور ملک اس کی گردن کو تھپتھپا کر بولا۔

"رانی! آج تجھے بھی دیکھ لوں گا۔"

ملک کے سوار ہوتے ہی سب لوگ اپنے اپنے جانور کی پیٹھ پر نظر آئے۔ غلام رسول وہ تمام ضروری سامان جو جنج کے ہمراہ جا رہا تھا ایک گھوڑے پر لاد کر واپس آ گیا۔ اس نے اشاروں میں ملک سے کچھ کہا پھر احاطے میں جا کر اپنی گھوڑی پر سوار ہُوا اور جنج میں شامل ہو گیا۔ عبدل لاڈو کی لگام تھامے جس کی کاٹھی پر رنگ رنگ کے پھُولوں کی ایک سُرخ پھُلکاری ڈال دی گئی تھی۔ حویلی کے دروازے پر کھڑا تھا۔

اچانک عورتوں میں گھِرا ہوا سلطانا بیاہ کا جوڑا پہنے اور سر پر سہرا باندھے دروازے پر نمودار ہوا۔ عورتوں کے گیت کی لے فضا میں بلند ہونے لگی۔ عبدل نے گھوڑی دروازے کے ساتھ لگا دی اور جب سُلطانے نے رکاب میں پاؤں رکھا تو تمام عورتوں نے مِل کر ایک ساتھ لَے اُٹھائی۔

گیت    چڑھ گھوڑی ویرا ٹُر پیا اپنی جنج آئی

سے اُتار سکے)

اس گیت کی ملی جلی لے میرے دِل کے ویرانے میں واوَ ورولے کی طرح چکر کاٹنے لگی۔ کتنا درد اور اثر تھا اس گیت میں لیکن ملک کو گانا اچھا نہ لگ رہا تھا۔ اس نے بڑے اُچاٹ سے لہجے میں کہا۔

"معلوم نہیں ان عورتوں کو شادی بیاہ پہ گانے اور ڈھولک بجانے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے ——— عیدل! انہیں آواز دے اب لڑکے کی خلاصی کریں۔ دھوپ چڑھی آتی ہے"۔

اندر شاید اب سہرا بندی کی رسم ادا ہو رہی تھی کیوں کہ گیت بدل گیا تھا۔

●

احاطے میں گھوڑیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تیس چالیس تک پہنچ گئیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر لیکن لاڈو کی شان ہی نرالی تھی۔ دُودھ جیسا سفید رنگ۔ بھرا ہوُا سڈول جسم اور سب سے اُونچا قد کاٹھ ——— بس دیکھ کے بھوک اُترتی تھی۔ ملک نے اس پر نظر ڈالی اور کہا۔

"رنگو! لاڈو آج بھی سلطانے کے پاس رہے گی تو اس کی مُشکی گھوڑی لے لے وہ بھی نری بجلی ہے"۔

یہ بات کچھ غلط نہ تھی۔ پہلی ہی رات جب میں ڈیرے سے لاڈو کو لے اُڑا تھا میں نے سلطانے کی مشکی گھوڑی کے دم خم دیکھ لیے تھے۔ دوسری گھوڑیاں تو بہت پیچھے رہ گئی تھیں لیکن مُشکی لاڈو کے قدم بہ قدم آئی تھی۔

میں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا۔ لاڈو مجھے دے دینے کے بعد ملک نے سُرخ رنگ کی ایک گھوڑی کو سدھانا شروع کر دیا تھا۔ اسے جانور کا شوق ہی نہیں پیار تھا۔ وہ اسے اپنی اولاد کی طرح پالتا اور دِل لگا کر ٹہل سیوا کرتا تھا۔ یوں تو کامے اور دوسرے لوگ بھی نئی گھوڑی کی بہت دیکھ بھال کرتے لیکن ملک اس کے آگے پیچھے پھرتا اور آتے جاتے اس کی گردن یا پیٹھ تھپتھپاتا اور کہا کرتا۔

سمیت کل ۴۲-آدمی تھے۔

●

وہ گھوڑا جس پر بیاہ کا ضروری سامان لدا تھا۔غلام رسول، عبدل اور دین خاں کی نگرانی میں پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔ نتھا نائی۔ کرم دین بروالا اور لہنا عیسائی بھی ان کے ساتھ تھے۔سامان میں صرف دو ٹرنک تھے۔جن میں شگن کے کپڑے وغیرہ تھے۔ ایک بعدی اور چھوہاروں مخانوں کا ایک توڑا تھا۔اس کے نیچے دونوں طرف بوری کے ٹاٹ میں لپٹے ہوئے لمبے لمبے ڈونگ اور تھے اور میں نہیں جانتا تھا اُن میں کیا چیز باندھی گئی تھی۔ زیورات کا بکس ملک نے پہلے میرے حوالے کیا پھر مجھ سے لے کر ملک رانجھے کو دے دیا۔ملک رانجھا بھی ایک گبھرو جوان اور بہادر آدمی تھا۔میں نے ملک کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی گھوڑی میرے قریب کر دی اور آہستہ سے بولا۔

"پُترا! تُو زیور کی حفاظت کرے گا یا اپنے یار سلطانے کی؟"

یہ بات سُن کر میں ایک دم گھوڑی پر اُچھل گیا۔

"اچھا یہ بات ہے؟"

"رنگو! میں نے سُنا ہے۔سیال بھی جنج لے کر آئیں گے حکیم نندلال روڑا یہی خبر لے کر آیا تھا۔پر اپنی ڈور تو مولا سائیں کے ہاتھ میں ہے"۔

"ملک جی! تم نے یہ بات ڈیرے پر کیوں نہ بتائی"۔

"ڈیرے پر تُو کیا کرتا۔اب میری ایک نصیحت سُن لے۔سلطانے کے ساتھ ساتھ رہنا اور اس کی حفاظت کرنا۔ رنگو! میں اپنا پُتّر تیرے حوالے کر رہا ہوں۔آج میری عزّت کا سوال ہے"۔

میرے جسم کے اندر خون لاوے کی طرح کھولنے لگا۔ملک کہہ رہا تھا۔

"میں نے حکیم نندلال کو چودھری سکندر کی طرف بھیج دیا ہے تاکہ وہ خبردار ہو جائے"۔ پھر ملک کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"رنگو! میں لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتا۔جمال نے اپنی زندگی خود برباد کی ہے۔

بھیناں نے اگوں رو کیا دے واگ پھڑائی

(اے ویر! کیسا خوشی کا وقت آیا کہ تُو دولہا بن کر گھوڑی پر سوار ہوا اور اپنی چترائی سے چل دیا ہے۔

بہنوں نے آگے بڑھ کر تیری گھوڑی کو روک لیا اور لگام تھام لی ہے۔ اب انہیں اپنا سَر صدقہ دے تو یہ تیری گھوڑی کی لگام چھوڑ دیں گی۔)

اتنے عرصہ میں ڈیرے کی پانچ چھ جوان لڑکیوں نے آگے بڑھ کر لاڈو کی لگام پکڑ لی تھی۔ واگ پھڑائی کا گیت صبح کی فضا میں تیرتا پھر رہا تھا۔ ملکانی خود گھوڑی کے ساتھ لگی پھرتی اور سلطانے کی بلائیں لے رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ملک نے رانی کو ایڑ لگائی اور دروازے پر جا پہنچا۔ اس نے اپنی ڈبّ سے نوٹوں کی ایک تہی نکال کر ملکانی کی طرف بڑھائی اور بولا ــــــــ

"کرماں والی یہ واگ پھڑائی کے روپے لڑکیوں میں بانٹ دے اور اب سُلطانے کو رخصت کر۔"

سُلطانے نے گھوڑی کی باگ موڑی تو بوڑھی عورتوں کی آواز بلند ہوئی۔

"پُتّر رب رکھا، سائیں راکھا۔ خیر نال جاتے خیر نال آ۔"

مَیں نے عورتوں کے اس ہجوم میں ملکانی کو بھی دیکھا۔ اس کی بوڑھی پلکوں پر اس وقت بھی خوشی کے آنسو کانپ رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سُلطانے کی پُشت پر ہاتھ رکھا اور صرف اتنا کہا۔

"رب سائیں، مولا سائیں تیرے کام کرے پُتّر!"

پھر عورتوں کے گانے کی ملی جلی آوازوں میں جنج روانہ ہوئی۔ سُورج اس وقت سوا نیزے تک بلند ہو چکا تھا اور اس کی پہلی کرنیں کھیتوں کی چھاتی پر انگڑائیاں لے رہی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت جھنگ سے سیالوں کی جنج روانہ ہوئی تھی۔ جس کے ہمراہ تین بندوقیں اور ۹۶ چھویاں، برچھیاں تھیں مگر ملکوں کی جنج میں لاڑے

ڈیرے سے نکلتے ہی گھوڑیوں کی رفتار تیز کر دی گئی تھی ۔ ملک باری باری بعض آدمیوں کے ساتھ چلتا اور اُنہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آ سکی اس نے ایک ہی مرتبہ سب لوگوں کو کیوں نہ بتا دیا کہ وہ لڑائی کے لیے تیار رہیں ۔ جب حکیم نند لال نے اُسے صبح ہی صبح چودھری حیات کے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا تو اُسے پوری تیاری کر کے ڈیرے سے نکلنا چاہئیے تھا لیکن ملک کی باتیں ملک ہی جانے ۔

تعجب تو اس پر تھا کہ کسی جانجی کے ہاتھ میں دکھاوے کا ہتھیار بھی نہیں تھا ۔

بس ایک ہی بات پہ زور دے رہا تھا ——— "گھوڑیوں کی رفتار تیز رکھو" ۔

بار کی گھوڑیاں تو بجلیاں ہوتی ہیں ۔ ہم دوپہر سے پہلے ہی چک سیالاں کے بیلے میں پہنچ گئے ۔ سرکنڈے ، پلچھی اور کریر کی بڑی بڑی جھاڑیوں کا یہ چھوٹا سا جنگل گاؤں سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا ۔ ملک نے جنج کو یہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور سب لوگ گھوڑیوں سے اُتر آئے ۔ پھر اس نے غلام رسول سے کہا ۔ وہ سامان لے آئے ۔

اس کی بربادی کا ذمہ دار میں یا کوئی دوسرا نہیں۔ اگر وہ ہمیں روکنے آیا تو آج میں رکوں گا نہیں۔"

چک سیالاں صرف آٹھ نو میل دور رہ گیا تھا۔ ملک اللہ جوایا نے دائیں ہاتھ کو پھر ایک جھٹکا دیا اور بولا۔

"رنگو! جا سلطانے کے ساتھ ساتھ رہ اور اُسے بھی خبردار کر دے۔ آج میں تم دونوں کی بہادری بھی دیکھ لوں گا۔"

میں نے ملک سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن پھر چُپ چاپ گھوڑی کو ایڑ لگا کر سُلطانے کے قریب جا پہنچا۔ میرے جسم میں کیڑیاں (چیونٹیاں) سی رینگ رہی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے میرے پاس ایک چھوٹی سی کرپان یا ۲۲ بور کے ایک ریوالور کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سلطانا مجھے دیکھ کر مُسکرا دیا۔

"شکر ہے تمہیں بھی میرا خیال آیا۔"

"چودھری! کھانا بعد میں دیکھا جائے گا پہلے نکاح ہو جانا چاہیئے"۔

"میری طرف سے سب معاملہ تیار ہے۔ مولوی جی آئے بیٹھے ہیں"۔

"تو پہلے نکاح ہو جائے"۔

اس کے ساتھ ہی ملک نے زیورات کا بکس اور کپڑوں کا ٹرنک چودھری کے حوالے کر دیئے ——— "لو لڑکی کو جوڑا پہنا دو ———"

حویلی سے نکل کر چودھری سکندر، ملک، سلطانے اور دو چار آدمیوں کو اپنے گھر کے صحن میں لے گیا۔ وہاں کیا ہوا میں نہیں جانتا مگر وہ دس بارہ منٹ کے بعد واپس آ گئے۔ ملک کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ودھائی ہو رنگو! نکاح ہو گیا"۔

اب لاڈو رانی سلطانے کی قانونی بیوی اور ملک اللہ جوایا کے گھر کی عزت تھی۔

نکاح کے ساتھ ہی رخصتی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جانجیوں کو کھانا بھی تقسیم کر دیا گیا اور چودھری سکندر کے گھر سے ڈھولک کی آواز پر عورتوں کے گانے کی آواز ابھرنے لگی ——— پنجاب کا وہ مشہور گیت جو اس موقع پر گایا جاتا ہے میرے کانوں میں رس گھولنے لگا ——— لاڈو رانی اپنے بابل کے گھر سے رخصت جو ہو رہی تھی۔

عورتیں گا رہی تھیں ؎

"بابل ودیا کریندیا وے!
مینوں رکھ لے اج دی رات وے!
مینوں رکھ لے اج دی رات"۔

"کیکر رکھاں بیٹیے!
تیری جنج نہ دیوے ساتھ نی،
تیری جنج نہ دیوے ساتھ ———"

(——— اے بابل ——— ! تو جو مجھے اپنے گھر سے وداع کر رہا ہے۔ میری عرض سن اور مجھے آج کی رات اپنے ہاں ٹھہرا لے پھر تو میں پرائی ہو جاؤں گی۔ صرف

اس نے گھوڑے پر لدے ہوئے لمبے لمبے تنگ اُتار کر زمین پر رکھ دیئے۔ جب اُنہیں کھولا تو برچھیوں اور چھویوں کی چمک سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ہتھیار تقسیم کر دیئے گئے۔ پھر اس نے گنتی کے پندرہ آدمی ساتھ لیے اور باقی سب کو اسی بیلے میں چھوڑ کر گاؤں کی طرف بڑھا۔ ۲۷ آدمی بیلے میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ملک رانجھے کو بھی وہیں چھوڑا گیا۔ زیورات کا بکس اب ملک اللہ جوایا نے خود سنبھال لیا تھا۔

پندرہ گھوڑیاں بجلیوں کی طرح کوندتی ہوئی، چک سیالاں کی طرف بڑھنے لگیں۔

سیالوں کی جنج ابھی تک نہ پہنچی تھی۔ چودھری سکندر گاؤں کے لوگوں اور برادری کو لیے بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ ملک اللہ جوایا نے حکیم تندلال کے ہاتھ اُسے یہ سندیس بھیجا تھا کہ تم ڈولا تیار رکھو، میں سیالوں کی جنج آنے سے پہلے ہی پہنچ جاؤں گا اور لڑکی کو لے کر چل دوں گا۔ جب چودھری سکندر کو صرف پندرہ گھوڑیاں نظر آئیں تو اتنی تھوڑی جنج دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اگر سیال اپنی جنج لے کر آ گئے تو کیا یہ پندرہ آدمی ڈولے کی حفاظت کر سکیں گے؟

اس نے ملک سے ملتے ہی پوچھا۔

"اللہ جوایا ——— ! کیا اپنے آدمیوں کو ڈیرے پر چھوڑ آیا ہے؟"

ملک نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور چودھری سکندر کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا۔

یہ حویلی جس میں جنج کو ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دو تین کنال میں پھیلی اور اس کی شمالی دیوار چودھری سکندر کے چوبارے کی دیوار سے ملی ہوئی تھی جس کی دوسری منزل کی ایک کھڑکی حویلی میں کھلتی تھی۔ پچھم کی طرف کھلا میدان تھا۔ حویلی کی کچی فصیل چار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہ تھی۔ برآمدے میں چارپائیاں بچھی تھیں اور پرلی طرف دریوں کے اوپر ساٹھ ستر آدمیوں کے لیے کھانے کے برتن چُنے ہوئے تھے۔ جب جانجی گھوڑیوں سے اُتر آئے تو چودھری سکندر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا وہ فوراً کھانا لے آئیں۔ ملک کہنے لگا۔

کو تیار کر دے۔"

پھر ملک اللہ جوایا نے اپنے آدمیوں کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا۔

●

گاؤں کی پٹی زیادہ دُور نہیں تھی۔ تھوڑی دیر میں ٹاپوں کی آواز سے پوری بستی گونج اُٹھی۔ لوگوں نے سُورج کی روشنی میں چھویوں اور برچھیوں کو لہراتے ہوئے دیکھا تو ایک کمان کی طرح جک سیالاں کو گھیرے میں لیے بڑھی آتی تھیں۔ یہ گھیرا کم سے کم آدھ میل میں پھیلا ہوا تھا۔

چودھری سکندر کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ تیزی کے ساتھ گھر کی طرف بھاگا۔

مَیں حویلی کی چھت پر پہنچ گیا تھا اور آنے والوں کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے گاؤں کو اس طرح گھیر لیا تھا کہ کوئی شخص ان کی زد سے بچ کر نکل نہ سکتا تھا۔ اچانک چھویوں کے درمیان مجھے تین بندوقیں بھی نظر آئیں اور مَیں نے ملک اللہ جوایا کو اس خطرناک صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

"اگر مقابلے کی نوبت آجائے تو ہمیں حویلی سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے"۔

گاؤں کے اُتر میں ایک پرائمری سکول کی عمارت تھی۔ سیالوں کی چند گھوڑیاں اس طرف بڑھ رہی تھیں اور اسی طرف مجھے ایک بندوق بھی نظر آئی۔

مَیں چھت سے نیچے اُتر آیا۔ ملک نے مجھے گھوڑی پہ سوار ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور لپک کر میرے پاس آیا۔

"رنگو! کہاں جا رہا ہے؟"

"ابھی واپس آجاؤں گا۔"

مَیں نے اسے سمجھایا کہ سیالوں کے پہنچنے سے پہلے مجھے نکل جانے دے ورنہ کوئی بھی اس حویلی سے باہر نہ نکل سکے گا۔ ملک راستے سے ہٹ گیا اور مَیں گھوڑی کو ایڑ لگاتا حویلی سے باہر آگیا۔

●

آج کی رات مجھے اپنے پاس رکھ لے ——

اے بیٹی —— ! مَیں تجھے کس طرح اپنے پاس ٹھہرالوں کیوں کہ تیری جنج میرا ساتھ نہیں دیتی - اس لیے میں مجبور ہوں - یعنی تجھے جانا ہی پڑے گا۔)

یہ بات اگرچہ پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ نکاح خوانی کے فوراً بعد لڑکی کو رخصت کر دیا جائے گا - پھر بھی وہ کوئی گڑیا کا کھیل نہ تھا - لڑکی کی رخصتی اور بیٹی کا وچھوڑا تھا - جلدی کے باوجود دیر ہوتی چلی گئی - پھر ایک سوار گھوڑا دوڑاتا حویلی کے دروازے پر آیا اور اس نے چودھری سکندر کو خبر دی -

" سیالوں کی جنج گاؤں کی پٹی پر پہنچ چکی ہے - مَیں نے ایک سو سے زیادہ گھوڑیوں کو آتے اور چھویوں کو لہراتے دیکھا ہے "

چودھری سکندر کا رنگ فق ہو گیا - اس نے ملک کی طرف دیکھا اور فکر مندانہ لہجے میں کہا -

" اللہ جوایا —— ! سُن لیا تُو نے - ایک سو گھوڑیاں اُڑی آتی ہیں اور تو پندرہ آدمی لے کر لڑکی بیاہنے آیا ہے —— "

" چودھری ! تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو چکا - رابعہ اب تیری بیٹی اور میری عزت ہے - مَیں اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتا ہوں —— "

" نکاح بے شک ہو چکا اور رابعہ آج سے میرے لیے پرائی ہو گئی لیکن مَیں اس حالت میں اسے گھر سے وداع نہیں کر سکتا "

" دیر تیری طرف سے ہوئی ہے چودھری ! مَیں تو وقت سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا "

" مجھے افسوس ہے مگر لڑکی کے معاملے میں اتنی دیر تو ہو ہی جاتی ہے - اگر تیرے ساتھ زیادہ آدمی ہوتے تو ہم گاؤں سے نکل کر انہیں روکتے - اب تو یہیں انتظار کرنا ہو گا "

" چودھری سکندر ! فکر نہ کر جو آئے گا اپنی موت ساتھ لے کر آئے گا - جا لڑکی

بندوق والے ہاتھ پر گولی چلا دی ——— رنگو کا نشانہ بھا خالی کس طرح جاتا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا پڑی اور وہ خود بھی اپنے زخمی ہاتھ کے ساتھ گھوڑی سے نیچے لڑھک گیا۔ مَیں نے گھوڑی سے چھلانگ لگا دی پھر بندوق میرے ہاتھ میں تھی۔ دوسرے لمحے مَیں نے اس کے بدن سے کارتوسوں کی پیٹی بھی اتار لی۔ اس کے بازو سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔ مَیں نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا اور لپک کر شکی پر سوار ہو گیا۔

مدرسے کی دیوار سے پرے چودھری کے ساتھیوں نے گولی کی آواز سُن لی تھی۔ وہ چھوَیاں لہراتے ہوئے آگے بڑھے مگر جب انہوں نے اپنے راٹ چودھری کو زمین پر خون میں لت پت پایا اور اس کی بندوق میرے ہاتھ میں دیکھی تو ٹھٹک کر پیچھے ہٹے۔ ایک آدمی نے مجھ پر برچھی پھینکنے کی کوشش کی لیکن اس کی برچھی سے پہلے میرے ریوالور سے دوسری گولی نکل چکی تھی جو اس کا کندھا پھاڑتی چلی گئی۔ وہ چیخ مار کر گھوڑی سے گرا پھر کسی کو حملے کی جرأت نہ ہوئی۔ مَیں نے باگ موڑی اور اسی راستے حویلی کی طرف چل دیا جس راستے آیا تھا۔

مجھے اپنی کامیابی کی ایسی آشا ہرگز نہ تھی مگر کبھی کبھی قدرت آدمی کی مدد کرتی اور ایسے اسباب پیدا کر دیتی ہے کہ کامیابی خود بخود اس کے قدم چُوم لیتی ہے۔ یہی واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ بندوق والا چودھری دھوکے میں مار کھا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ میرے پاس ریوالور قسم کی کوئی چیز ہو سکتی ہے یا میں اُس پر اچانک حملہ کر دوں گا۔ دراصل وہ مجھے سکھ سمجھ کر اس گاؤں سے نکل جانے کی صلاح دے رہا تھا۔ بس اس کی یہی غفلت میرے کام آ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد مَیں پھر حویلی میں موجود تھا۔

●

ریوالور سے نکلی ہوئی دو گولیوں نے چک کے تمام باشندوں کو چونکا دیا تھا۔ سیال بھی اب مدرسے کی طرف سمٹ رہے تھے۔ جہاں اُن کے دو آدمی زخمی پڑے

سیال آندھی کی طرح اُڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے پُورب اور اُتر کی طرف سے چک کو گھیر لیا تھا۔ وہ بستی سے کچھ دُور ہی ٹھہر گئے تھے۔ مَیں نے ان کی نگاہوں سے بچتے ہوئے۔ گھوڑی ایک تنگ سی گلی میں ڈال دی اور گاؤں کے درمیان سے ہوتا ہُوا اُتّر کی جانب مدرسے کی عمارت کے پاس جا پہنچا۔ یہاں سے ایک راستہ نجانے کدھر کو نکلتا تھا۔ مَیں گھوڑی کو اسی راستے پر لیتا چلا گیا۔ اِسی اثنا میں پندرہ سولہ سواروں کی ایک ٹکڑی مدرسے کی طرف آتی دکھائی دی ان میں ایک چودھری کے پاس بندوق تھی اور یہی بندوق دیکھ کر مَیں حویلی سے نکلا تھا۔ یہی چودھری میرا شکار تھا۔ جس نے کارتوس کی پیٹی کندھے سے کمر کی طرف لٹکا رکھی تھی۔

مَیں بھی اس طرح مدرسے کی طرف آیا تھا جیسے کوئی مسافر اپنی راہ گزر جاتا ہے۔ مجھے دیکھ کر سیال ٹھٹکے ضرور لیکن میری سِکھی کام آگئی۔ انہوں نے مجھے ایک سِکھ راہ گیر ہی سمجھا مگر اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی بولتا مَیں نے بندوق والے چودھری کو صاحب سلامت کہی اور پوچھا۔

" چودھری جی! یہ کیا معاملہ ہے......"

اس نے معاملے پر تو بات نہ کی صرف اتنا کہا۔

" سردار جی! تسیں ایدھر کدھر پھس گئے۔ ایہہ تے سیالاں دا چک اے"۔

مَیں نے اسے بتایا۔ " مجھے جانا تو جھنگ ہے لیکن اتنی گھوڑیاں اور چھویاں دیکھ کر اِدھر آگیا۔ آخر یہ کیا چکّر ہے؟" چودھری میرے قریب آگیا۔ اس کے ساتھی مدرسہ سے پرے ہی رُک گئے تھے۔ چودھری کہنے لگا۔

سردار جی! یہاں سے نکل جاؤ"۔

پھر اس نے گردن موڑ کر اُتّر سے پُورب تک پھیلے ہوئے سیالوں کو دیکھا اور کہا۔

" یہ جنج چودھری سکندر سیال کے گھر آئی ہے اور آج ......."

ابھی اس نے بات پُوری نہ کی تھی کہ ریوالور میری جیب سے باہر آگیا اور مَیں نے

نہیں دے گا پھر تم خنج لے کر کیوں آئے ؟"

" میں یہی پوچھنے آیا ہوں چودھری سکندر نے منگنی کیوں توڑ دی ؟"

" چودھری حیات ! تمہارا بھتیجا عیبی لڑکا ہے ۔ جب چودھری سکندر نے اس کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو منگنی توڑ دی ۔ جمال کہاں ہے اسے سامنے لاؤ ۔"

" وہ بھی سامنے آجائے گا لیکن تم لوگ مل جُل کر میرے بھتیجے کو بدنام کرنا چاہتے ہو ۔ اگر جمال میں کوئی عیب تھا تو چودھری نے منگنی کیوں کی تھی ؟"

" پہلے وہ دھوکے میں تھا اب اس نے اصلیت دیکھ لی ہے ۔ کیا تم اپنے بھتیجے کا حال سُننا چاہتے ہو ؟"

" تمہارے کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے جو مرضی ہو کہتے رہو ۔"

" نہیں چودھری حیات ! میں جھُوٹ ہرگز نہیں بولوں گا ۔ تم ذرا اپنے بھتیجے سے یہ تو پوچھتے وہ لاہور میں کیا کاروبار کرتا ہے ؟ میں بتاتا ہوں اس نے وہاں فلم کمپنی کھول رکھی ہے ۔ جس پر ہزاروں روپیہ برباد کر بیٹھا ہے ۔ تم یہ سُن کر حیران ہو گے وہ لاہور میں کنجروں کے گھر شادی کر رہا تھا ۔ ہمارے سامنے ایک رنڈی کے ساتھ اس کا نکاح ہُوا تھا اور ہم چار آدمی اس بات کے گواہ ہیں ۔ جس کے بعد چودھری سکندر نے اسے لعنت ملامت کی کہ اس نے سیالوں کی سفید چادر پر گندہ داغ لگا دیا اور اپنے مرحوم باپ کی رُوح کو دُکھ دیا ہے ۔ پھر اسی وقت ، اُسی جگہ چودھری نے رابعہ اور جمال کی منگنی توڑ دی اور اُسے کہہ دیا کہ اب اُس کا ہمارے ساتھ کوئی واسطہ تعلق نہیں ۔ چودھری حیات ! کیا کچھ اور بھی سُننا چاہتے ہو ؟"

" نہیں یہ جھوٹ ہے ۔ جمال کنجروں کے گھر بیاہ نہیں کر سکتا ۔ اس کا بیاہ تو چودھری سکندر کے گھر طے ہو چکا تھا ۔"

" اگر یہ جھُوٹ ہے تو یہ بھی جھوٹ ہو گا کہ جمال نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی زمین بیچ کر شراب اور رنڈی بازی پر ضائع کر دی ہے اور اب اس کے پاس بہت تھوڑی زمین رہ گئی ہے ۔"

تھے ۔جب انہوں نے سنا ہوگا ۔ ان کے راٹ چودھری کے ہاتھ سے بندوق چھین لی گئی ہے تو یقیناً پریشان ہوئے ہوں گے ۔

ریوالور کے ہمراہ اب ایک دونالی بھی میرے قبضے میں آگئی تھی ۔ میں نے ملک کو بتایا کہ کس طرح دو آدمیوں کو زخمی کر کے بندوق چھین لایا ہوں ۔ وہ میری اس دلیری کا واقعہ سن کر حیران رہ گیا ۔

"ملک جی ! اب میں چودھری جمال سے دو ہاتھ کر کے ہی جاؤں گا ۔"

میں نے بندوق سنبھالی اور کوٹھے پر جا بیٹھا ۔ سیال ابھی تک اُتر اور پورب کی طرف گھیرا ڈالے کھڑے تھے اور کچھ آدمی مدرسے کی عمارت میں جا بیٹھے تھے ۔ پورے گاؤں میں خوف وہراس پھیل گیا تھا اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں گھس کر دروازے بند کر لیے تھے ۔

تھوڑی دیر میں چودھری حیات سیال برادری کے چند بڑے بڑے چودھریوں کے ساتھ حویلی کی طرف آتا دکھائی دیا ۔ ان میں دو آدمیوں کے پاس بندوقیں تھیں ۔ انہیں آتا دیکھ کر ملک اللہ جوایا اور چودھری بھی حویلی کے کوٹھے پر آگئے ۔ جب وہ ڈیڑھ دو سو قدم کے فاصلے پر رہ گئے تو میں نے ایک ہوائی فائر کرنے کے بعد بندوق اُن کی طرف سیدھی کر دی اور بلند آواز سے انہیں وہیں رُک جانے کے لیے کہا ۔

فائر کی آواز سارے چک میں گونجی ۔ آنے والوں نے گھوڑیوں کی لگامیں کھینچ لیں ۔ پھر ملک اللہ جوایا اور چودھری حیات میں جو باتیں ہوئیں وہ بھی سن لیں ۔

"چودھری حیات ! تم یہاں کیا لینے آئے ہو اور اس طرح گاؤں کو گھیرنے کا مقصد کیا ہے ؟"

"میں نے ملک اللہ جوایا کی آواز پہچان لی ہے ۔ ملک جی ! تم بھی جانتے ہو چودھری سکندر نے اپنی لڑکی کی منگنی میرے بھتیجے جمال کے ساتھ کر دی تھی ۔ آج ہم لڑکی کا ڈولا لینے آئے ہیں ۔"

"مگر چودھری سکندر نے یہ منگنی توڑ دی اور جمال سے کہہ دیا تھا وہ اسے رشتہ

پر کیسی چوٹ پڑی ہوگی۔ جب اس نے یہ سب کچھ دیکھا ہوگا تو صدمہ سے اس کا سینہ کس طرح پھٹ گیا ہوگا اور ان سب باتوں کے بعد جب اس نے اپنے کانوں سے یہ الفاظ سُنے ہوں گے کہ

"چودھری جمال دین ولد چودھری نور احمد مرحوم قوم سیال سکنہ جھنگ مگھیانہ کا نکاح بچاس ہزار روپے حق مہر کے عوض فلم ایکٹرس رنجنا ولد نامعلوم قومیّت نامعلوم سکنہ شاہی محلہ لاہور کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

اور دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہُوا ہوگا تو کیا اپنے ہونے والے جوائی کی اس کرتوت کو دیکھ کر چودھری سکندر کے دِل پر غم کی بجلیاں نہ ٹوٹ پڑی ہوں گی ؛

چودھری حیات! تم جمال کے چاچا ہو اور بُرے بھلے میں اس کے شریک بھی ہو لیکن ذرا خدا کو حاضر ناظر جان کر بتاؤ۔ اگر یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آتا تو کیا تم خاموش رہتے ؛ پھر چودھری سکندر یہ سب کچھ دیکھنے سُننے کے بعد اپنی لڑکی کو اندھے کنوئیں میں کس طرح پھینک دیتا۔ اس نے اُسی وقت منگنی فسخ کر دی اور جمال سے کہہ دیا اب وہ رشتہ کی آس نہ رکھے۔ جب وہ کنجروں کا جوائی بن گیا تو سیالوں کا اس سے کیا واسطہ رہ گیا ؛

مَیں جانتا ہوں جمال نے تمہیں کچھ نہ بتایا ہوگا۔ کیوں کہ وہ باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد تباہ کر چکا ہے۔ اس نے تمہارے خاندان کی عزت بھی مٹی میں ملا دی ہے اور سیالوں کی نیک نامی اور چودھراہٹ کو داغ لگایا ہے لیکن تم اس سے یہ تو پوچھو۔

۱۔ اس کی ۱۲ مربعے زمین کہاں گئی اور اب اِس زمین کا مالک کون ہے ؛

۲۔ اس نے لاہور کے وِیرا ہوٹل میں جس فلم کمپنی کا دفتر کھول رکھا ہے اس پر آج تک کتنی رقم برباد ہوئی اور کام کیا ہُوا ہے ؛

۳۔ اس نے شراب پر کتنا روپیہ اُجاڑ دیا ہے ؛

۴۔ کنجروں کے گھر آج تک کتنی رقم دے چکا ہے ؛

۵۔ اور کیا اس نے انہی کنجروں کی لڑکی رنجنا کے ساتھ نکاح نہیں پڑھوا لیا تھا ؛

"ملک اللہ جوایا! تم کیسی انہونی باتیں کرتے ہو۔ اگر جمال نے زمین بیچی ہوتی تو اس کی ماں کو پتا نہ ہوتا۔ مجھے پتا نہ ہوتا۔ یہ تو بتاؤ اس نے زمین کس کے پاس بیچی ہے؟"

"چودھری حیات! ذرا کان کھول کر سُن لو۔ جمال کے ۱۲ مربعے میرے پُتّر سلطانے نے خرید لیے اور عدالت کے رُو برو روپیہ ادا کر کے قبضہ بھی حاصل کر لیا ہے۔"

پھر ملک اللہ جوایا نے ایک بستہ کھول کر اشٹام کے کئی کاغذات باہر نکالے اور انہیں ہَوا میں بلند کر کے بولا۔

"یہ ان ۱۲ مربعوں کی ملکیت کا سرکاری ثبوت ہے جو اَب میرے پُتّر سُلطانے کے نام منتقل ہو چکے ہیں اور جن پر ہم نے قبضہ بھی لے لیا ہے۔ اگر تم تسلّی کرنا چاہو تو آکر خود دیکھ لو یا کسی معتبر آدمی کو بھیج کر جھُوٹ سچ کا نتارہ کر لو۔ ایک گواہ جھنگ کا حکیم نندلال اروڑا ہے جس نے عدالت کے رُو برو گواہ کی حیثیت سے ان اشٹاموں پر دستخط کیے تھے۔ جا کر پوچھ لو اس سے۔ جمال نے اپنے مربعے بیچے اور روپیہ وصول کیا یا نہیں؟"

ملک اللہ جوایا کہہ رہا تھا۔

"اگر وہ زمینیں بیچ کر کاروبار کرتا تو مجھے کوئی دُکھ نہ ہوتا لیکن افسوس اس نے یہ روپیہ شراب نوشی اور کنجروں پر اُجاڑ دیا اور سیالوں کی عزّت، شہرت اور نیک نامی کو داغ لگایا۔ چودھری حیات! اس نے مرحوم باپ کا کفن بھی مَیلا نہ ہونے دیا اور مرنے والے کی چھوڑی ہوئی تمام جائیداد نشے اور بدکاری میں برباد کر دی اس وقت اس کے پاس صِرف چند مربعے رہ گئے ہیں جو بنجر ہیں اور کاشت کاری کے قابل نہیں۔ یہی وجہ ہے ابھی تک کسی نے انہیں نہیں خریدا۔"

ایک لمحہ رُک کر ملک نے پھر کہا۔ "اب تم خود ہی سوچو جب چودھری سکندر کو اپنے ہونے والے جوائی کی بدکاریوں کا حال معلوم ہُوا ہو گا تو اس کے دل

گھنٹے کی مہلت دے دو۔"

یہ کہہ کر سیالوں کے راٹھ چودھریوں نے اپنی گھوڑیاں موڑ لیں اور اُتر کی طرف مدرسے کا رُخ کیا۔ اُسی لمحے حویلی کے ساتھ والی گلی میں ٹاپوں کی آوازیں اُبھریں، ایک شور سا بلند ہُوا جیسے ایک ساتھ کئی گھوڑیاں بھاگی آ رہی ہوں۔ اچانک گلی کی فضا سیالوں کی خوفناک للکاروں اور وحشی بلکاروں سے گونج اُٹھی اور ایک ساتھ کئی سوار گھوڑیوں سے چھلانگ لگا کر چودھری سکندر کے مکان کے اندر کود گئے۔

عورتوں کی چیخیں تھرتھرائیں۔ بھاگنے، دوڑنے اور رونے چلّانے کا شور اُٹھا اور اس شور میں کسی لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"میاں! جمال نے حملہ کر دیا، جلدی آؤ۔ سُلطانے تم کہاں ہو؟"

یہ آواز لاڈو رانی کی تھی۔ جو سہاگ کا جوڑا پہنے وداع ہونے کے لیے تیار بیٹھی تھی چودھری سکندر سیال ایک لاٹھی اُٹھا کر تیزی کے ساتھ کوٹھے سے اُترا اور گھر کی طرف بھاگا۔ زینب کا خاوند نُورا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ مگر اس شور و غل اور افراتفری میں مَیں نے حویلی میں ایک بجلی سی کوندتی ہوئی دیکھی۔ مَیں اس بجلی کو پہچانتا تھا۔ وہ میرا جگری یار سلطانا تھا جو لاڈو رانی کی آواز سُن کر کوندے کی طرح لپکا اور حویلی کی دیوار پھاند کر دوسری طرف کود گیا تھا۔

اب مَیں حویلی کی چھت پر نہ بیٹھ سکتا تھا۔ مَیں نے بندوق اٹھائی اور اُترتا چلا گیا۔

چودھری سکندر کے صحن میں سُلطانے کا بلکارا گونج رہا تھا۔

جاؤ پہلے اپنے بھتیجے سے یہ باتیں پوچھو۔ پھر چودھری کے گھر کا رُخ کرو۔ تم خود سیال اور ایک راٹ چودھری ہو۔ سیالوں کی عزت کو یوں نہ اُچھالتے پھرو۔"

جب ملک اللہ جوایا یہ تقریر کر رہا تھا تو اس کی پُرجوش آواز دور دُور تک گونج رہی تھی۔ سب لوگ خاموش اور یوں چُپ چاپ تھے جیسے وہ پتھر کے بُت ہوں۔ چودھری حیات کو تو سانپ سونگھ گیا اور اس کے ساتھ آنے والے راٹ چودھریوں کی گردنیں بھی شرم کے مارے جھک گئیں۔ آخر ایک بڑے چودھری نے جواب دیا۔

"ملک اللہ جوایا! ہمیں جمال سے مل کر بات کر لینے دو۔ اگر یہ سب کچھ جو تم نے کہا سچ ہے۔ تو رب سائیں کی قسم ہم اسی وقت واپس چلے جائیں گے اور جمال کا حقّہ پانی بند کر دیں گے جس نے چودھری سکندر سے دھوکا کیا، اپنے باپ کی شہرت اور نیک نامی کو بٹّہ لگایا اور سیالوں کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی لیکن یہ بھی سُن لو۔ اگر تمہارا بیان غلط ہوا اور ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا تو ہم چودھری سکندر کے گھر سے ڈولا لیے بغیر واپس نہ جائیں گے خواہ ہمارا ایک ایک آدمی یہاں کٹ مرے کیوں کہ یہ اب چودھری حیات یا اس کے بھتیجے جمال کا نہیں بلکہ سیالوں کی عزّت کا معاملہ بن چکا ہے۔ کیا تمہیں یہ شرط منظور ہے؟"

"مجھے منظور ہے"۔ ملک اللہ جوایا نے جواب دیا۔ "چودھری! یہ نہ سمجھو میں سیالوں کا دُشمن ہوں۔ نہیں اُن کی عزّت اور نیک نامی کی مجھے بھی شرم ہے۔ میں نہیں چاہتا جھنگ کے راٹ چودھریوں کی عزت کو دھبّہ لگے۔"

"اچھا تو پھر تم تھوڑی دیر صبر کرو۔"

"چودھری حیات! تم بھی یہ بات یاد رکھو۔ تمہارے آنے سے تھوڑی دیر پہلے چودھری سکندر کی بیٹی رابعہ اور میرے پُتّر سلطان کا نِکاح ہو چکا ہے۔ اب رابعہ میرے گھر کی عزّت بن چکی ہے۔ اگر کسی نے میری عزّت پر ہاتھ ڈالا اور ڈولا روکنے کی کوشش کی تو مَیں اسے کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"ملک اللہ جوایا! ابھی تھوڑی دیر میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہمیں صرف آدھ

مدرسے کی طرف گولی چلنے کی آواز چودھری جمال نے بھی سُنی تھی اور وہ اُسی کے متعلق پتہ کرنے اُترّی گوشے میں آیا تھا۔ یہاں اس نے دُو آدمیوں کو زخمی پایا تو ضرور حیران ہُوا ہوگا۔ پھر اسے بتایا گیا ہوگا کہ

"ایک سِکھ گھوڑی پر سوار نجانے کدھر سے آیا۔ ہم اُسے راہ گیر سمجھتے رہے اور توجہ نہ دی مگر اس نے پستول سے چودھری پر گولی چلادی اور بندوق چھین لی جب ہم اس پر چھویاں لے کر جھپٹے تو دوسرے فائر سے اس نے ایک اور آدمی گرایا اور گلیوں میں غائب ہوگیا۔ اب اس کی نیلی پگڑی چودھری سکندر کے کوٹھے پر نظر آتی ہے اور وہ ہماری بندوق لیے وہاں جا بیٹھا ہے۔"

یہ واقعہ سُن کر جمال حقیقت سمجھ گیا ہوگا۔ وہ مجھے لاہور میں ملک اللہ جوایا اور چودھری سکندر کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ پھر ہونی نے اسے یہ تدبیر سوجھائی ہوگی کہ میری طرح وہ بھی گلیوں سے ہوتا ہُوا چودھری سکندر کی ڈیوڑھی تک جائے اور اچانک ٹوٹ پڑے۔ اس طرح وہ رابعہ کو اڑا لے جائے گا۔

یہی سوچ کر اس نے بیس سواروں کو ساتھ لیا اور گلیوں میں چکر کاٹتا ہُوا نکلا۔ ڈر سے گاؤں کے لوگ گھروں کے دروازے بند کرکے اندر بیٹھ گئے تھے۔ گلیاں سنسان اور اُجاڑ ہو چکی تھیں۔ چودھری سکندر کے مکان اور حویلی میں جو لوگ جمع تھے وہ بھی ملک اللہ جوایا اور چودھری حیات کی طرف متوجّہ تھے اور کسی نے جمال اور اس کے ساتھیوں کو آتے ہوئے نہ دیکھا۔ وہ سنسان گلیاں پار کرکے چوروں کی طرح آئے۔ جب چودھری سکندر کا چوبارہ نظر آیا تو گھوڑیوں کو دوڑاتے بلکارے مارتے ہوئے ڈیوڑھی پر ٹوٹ پڑے اور دیواریں پھاند پھاند کر اندر کودنے لگے۔

سکندر کے گھر عورتیں، لڑکیاں جمع تھیں۔ لاڈو رانی سہاگ کا سُرخ جوڑا پہنے ایک کمرے میں سہیلیوں کے درمیان گھری بیٹھی تھی۔ جب جمال ساتھیوں کو لے کر اندر کودا اور اس نے جوش میں بلکارہ مارا تو وہ سب خوف سے چیختی چلاتی اور شور مچاتی اندر کے کمروں کی طرف بھاگیں۔ رابعہ نے جمال کی آواز سُنی۔ سیالوں کو

# ہونی

اچانک حملہ کس طرح ہُوا اور سیالوں کی گھوڑیاں چودھری سکندر کی ڈیوڑھی تک کس طرح پہنچ گئیں، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صورتِ حال یک لخت بگڑ جائے گی۔ سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے۔ ملک اللہ جوایا نے باتوں ہی سے میدان مار لیا ہے۔ جب راٹ چودھری اکٹھے ہو کر جمال سے پوچھ گچھ کریں گے تو جھوٹ سچ کا نتارا ہو جائے گا۔ بھلا وہ ان زمینوں کے بارے میں کیا جواب دے گا۔ جن کا انتقال سلطانے کے نام ہو چکا تھا؛

جمال کے پاس اب زمینیں رہی تھیں نہ ان کا روپیہ ——— بس اس کی عیاشی اور تماش بینی کی قلعی کھل جائے گی اور سیال اس پر لعنت ملامت کرتے ہوئے لوٹ جائیں گے لیکن جس وقت ملک اللہ جوایا حویلی کے کوٹھے پر کھڑا چودھری حیات کو اس کے بھتیجے کی رام کہانی سُنا رہا تھا اور چودھری حیات کے ساتھ آنے والے راٹ چودھری بھی شرم کے مارے گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ ٹھیک اس وقت ہونی کچھ اور ہی چال چل رہی تھی۔

اس کے جسم سے خون بہتے دیکھ کر میرے سر پر خون سوار ہو گیا۔ میں نے ریوالور کے چار فائر کیے جن سے دو آدمی تڑپ کر گرے اور باقی بدحواس ہو کر دروازے کی طرف بھاگے۔ جب دروازہ کھلا تو ملک اللہ جوایا لاٹھی اُٹھائے آگے بڑھا اور اس نے بھاگتے ہوئے آدمیوں کو لاٹھی پر رکھ لیا۔ اس کے پیچھے پیچھے غلام رسول، چودھری سکندر اور نورا بھی تھے۔ سیالوں نے دیواریں پھلانگ کر جان بچانی چاہی لیکن ان کے اردگرد لاٹھیاں اور برچھیاں چمک رہی تھیں۔

اتنی دیر میں جمال زینے کا دروازہ توڑ کر اُوپر جا چکا تھا۔ سلطانے نے میری طرف دیکھا اور کہا ——

"رنگو! جمال اُوپر گیا ہے۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔ تم چاچے کے پاس رہو۔"

یہ کہہ کر وہ برچھی اُٹھائے سیڑھیوں پر بھاگتا چلا گیا۔

سیڑھیاں ایک برآمدے میں نکلتی تھیں۔ جس کے ساتھ باہر کی طرف لوہے کا اُونچا جنگلا بنا ہوا تھا۔ برآمدے کے ساتھ ہی کمرہ تھا اور اب جمال اپنے ساتھی کے ہمراہ اس کمرے کا دروازہ توڑ رہا تھا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی نیچے اس کے آدمیوں کے ساتھ کیا بیتی۔ سلطانے نے جاتے ہی للکارا۔ دونوں برچھیاں لے کر جھپٹے مگر سلطانا دو آدمیوں کے بس کا نہ تھا۔ اس نے برچھی کے ہاتھ دکھائے تو دونوں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔

●

پہلے میں آپ کو سلطانے اور جمال کی لڑائی کا حال سناؤں پھر یہ بتاؤں گا نیچے کیا ہوا جمال بے شک سیالوں کا لڑکا تھا اور جھنگ کی فضاؤں میں پل کر جوان ہوا تھا لیکن کئی سال سے لاہور میں رہ کر تماش بینی میں پڑ چکا تھا۔ شراب نے اس کے جسم کو پھلا ضرور دیا مگر جوانی کی قدرتی طاقت زائل کر دی تھی۔ وہ بھلا سلطانے جیسے گبھرو شیر کا مقابلہ کیا کر سکتا تھا پھر بھی جب اس نے اپنے رقیب کو سامنے دیکھا تو مقابلے میں ڈٹ گیا۔

سلطانے نے شعلہ بار آنکھوں سے اُسے گھورا اور کہا۔

"بچُّو —— ! یہ رنجنا کا کوٹھا نہیں جہاں سے تو بچ کر چلا جائے گا۔ تو نے سلطانے کی عزت اور ملک اللہ جوایا کی بہو پر ہاتھ ڈالا ہے۔ آج تیری لاش یہاں سے

دیواریں پھاندتے ہوئے دیکھا تو معاملے کو سمجھ گئی اور فوراً اُٹھ کر چوبارے کی طرف بھاگی۔ اس نے سیڑھیوں کا نچلا دروازہ بند کر لیا اور زینہ طے کر کے اُوپر کے برآمدے میں پہنچی۔ یہیں سے اس نے پہلے اپنے باپ کو جمال کے حملے کی خبر دی پھر سلطانے کو آواز دی تھی۔

سلطانا اس وقت حویلی میں تھا۔ اس نے سیالوں کے للکارے اور شور سُنا۔ پھر لاڈو رانی کی آواز نے اسے پاگل کر دیا۔ وہ چیتے جیسی پھُرتی کے ساتھ برچھی لے کر صحن میں کود گیا۔ اس وقت آٹھ دس آدمی اندر پہنچ چکے تھے۔ دو دروازے پر کھڑے تھے تاکہ کوئی باہر سے اندر نہ آئے۔ باقی دیواروں کے ساتھ لگ گئے تھے اور جمال ایک آدمی کے ساتھ اُوپر جانے والا دروازہ توڑ رہا تھا۔ کیوں کہ اس نے رابعہ کو کمرے سے بھاگ کر اُوپر جاتے دیکھ لیا تھا۔ جب سلطانا کود کر صحن میں پہنچا تو ایک ساتھ کئی برچھیاں اس کی طرف لپکیں مگر میرا گبھرو یار شیر کی طرح ان کا مقابلہ کرتا رہا۔

دس بارہ آدمی گلی کی حفاظت کر رہے تھے۔ تاکہ جب تک جمال رابعہ کو نکال نہ لائے اس وقت تک کسی کو اندر نہ جانے دیں۔ انہوں نے چودھری سکندر اور اس کے بھانجے نورے کو گلی ہی میں گھیر لیا تھا مگر اچانک ملک اللہ جوایا اپنے آدمیوں کو لے کر بجلی کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑا۔ تین چار آدمی زخم کھا کر گرے اور باقی گھوڑیاں لے کر بھاگ گئے۔ اب جمال صرف دس آدمیوں کے ساتھ گھر گیا تھا۔

مَیں بھی دیوار پھلانگ کر اندر پہنچا تھا۔ اس وقت سلطانا دو آدمی گرا چکا تھا مَیں نے جاتے ہی آواز لگائی ——— ”سلطانے! شیر ہو جا۔ مَیں آگیا ہوں۔“

اس نے برچھی گھما کر تیسرے آدمی کو زخمی کیا۔ سیالوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور اس گھیرے میں سلطانا شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ مَیں نے اس کی بہادری اور بے جگری کے قصّے سُنے تھے۔ آج اُسے لڑتے دیکھا تو مجھے اس احساس سے خوشی ہوئی کہ مَیں نے اپنے یار کے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کے کندھے پر چھوّی کا زخم لگا تھا اور زخم سے سُرخ سُرخ خون نکل کر بیاہ کے جوڑے کو رنگین بنا رہا تھا۔

جٹ کا نام نہیں پڑھا تھا۔ وہ سلطان علی کھرل جٹ تیرے سامنے کھڑا ہے۔"

اس انکشاف پر چودھری جمال بُری طرح بوکھلا گیا۔ اس کا ساتھی حیران تھا۔ کہ اچانک جمال کو کیا ہو گیا۔ اس لمحے سُلطانے نے اس کے ساتھی کی کمر میں برچھی ماری، وہ اچھل کر پیچھے ہٹا لیکن ابھی سنبھل نہ سکا تھا کہ پوری طاقت سے گھومی ہوئی لاٹھی اس کے شانے پر پڑی اور وہ بھیانک چیخ کے ساتھ لوہے کے جنگلے سے نیچے صحن میں لڑھک گیا۔ مگر قسمت اچھی تھی فرش کی بجائے چارپائی پر گرا ورنہ اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اُڑ جاتے کیوں کہ سر کے بل آیا تھا۔

اب سلطانا جمال کی طرف متوجہ ہوا جس کے چہرے پر خوف کے سائے کانپ رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر رابعہ پر پڑی جو لوہے کی سلاخوں والی کھڑکی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سلطانا لہک کر بولا۔

"لاڈو رانی! دروازہ کھول کر باہر آجا۔ میں اس کتّے کو تیرے سامنے ذبح کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی سُلطانے کی برچھی جمال کے شانے کا گوشت اُدھیڑتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے منہ سے دبی دبی چیخ نکلی۔ اس نے سلطانے کے وار روکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن دس بارہ جمال مل کر بھی اسے روک نہ سکتے تھے۔ ایک کاری زخم کھا کر جمال سُلطانے کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا اور بولا۔

"سلطانے! میں تجھے ربّ رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے جان سے نہ مار اور بخش دے۔"

سُلطانے نے اپنی لاڈو رانی کی طرف دیکھا جو دروازہ کھول کر برآمدے میں آ گئی تھی اور پوچھا۔

"کیا یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ ہے؟"

لاڈو رانی نے جواب دیا۔

"اس کمرے میں دو کھڑکیاں ہیں۔ ایک حویلی کی طرف کھلتی ہے اور دوسری

نکلے گی"

کالج کا پڑھا اور لاہور کے شاہی محلے میں پھرا ہوا جمال بھلا کس طرح خاموش رہتا ——— وہ بولا۔

"کامے کا لڑکا ہو کر سیالوں سے ٹکر لیتا ہے۔ آج تو تجھے اپنی خیر منانی چاہیئے۔"

"کسی کامے کا لڑکا چودھری جمال کے ۱۲ مربعے نہیں خرید سکتا۔ آج کھرل جٹ تجھے زمین کے ساتھ عشق کا بھاؤ بھی بتا دے گا۔"

زمینوں کا سودا چوں کہ حکیم نند لال اروڑا اور اس کے واقف کار قانون گو کے ذریعے ہوا تھا۔ اس لیے چودھری جمال کو ابھی تک یہ علم نہ تھا۔ اس کی ۱۲ مربعے زمین دراصل سلطانے کے نام منتقل ہوئی ہے ——— کاغذات پر چودھری سلطان علی ولد چودھری قربان علی قوم کھرل جٹ کا نام تھا اور ملک اللہ جوایا نے چونکہ حکیم نند لال، قانون گو اور پٹواری وغیرہ کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ جمال کو سلطانے کا علم نہ ہونا چاہیئے اس لیے سب کام اسی کی معرفت طے ہوئے تھے حتیٰ کہ اس کی طرف سے عدالت میں روپیہ بھی حکیم نند لال نے وصول کیا اور جمال کے کاغذات پہ دستخط کر کے بھیج دیئے تھے۔ اس طرح نہ زمین کے سَودے، نہ رقم کی وصولی اور نہ انتقال کے وقت ہی ان کا آمنا سامنا ہو سکا تھا۔ پھر چودھری جمال خود اس معاملے کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو بھی نہ بتایا تھا کہ وہ اپنے مربعے بیچ رہا ہے۔ اس لیے تمام کارروائی حکیم نند لال کی معرفت ہوئی تھی۔ جمال اس بات پر مطمئن تھا کہ زمینوں کا سودا چپکے ہی چپکے طے پا گیا اور اس کے شریکا برادری میں کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکا۔ اس نے ۲۱ مربعے بیچ دیئے ہیں۔

اب جب سلطانے کی زبان سے اس نے ۲۱ مربعوں کی بات سُنی تو کچھ گھبرا سا گیا۔

"کون کہتا ہے، مَیں نے ۲۱ مربعے بیچ دیئے ہیں؟"

"کیا تُو نے اشٹاموں پر "چودھری سلطان علی ولد چودھری قربان علی قوم کھرل

لاڈو نے حویلی کا ایک چکر کاٹا پھر سلطانہ نے لگام کھینچ کر اسے ایڑ لگائی اور شیر کی بچی ان دونوں کو لے کر حویلی کی دیوار پھلانگ گئی۔

مَیں نے کچھ دُور اسے جھم کی طرف جاتے دیکھا پھر وہ بیلے کی طرف مُڑ گئی۔

●

سیالوں کی وارثہ پر آگئی تھی۔ مجھے اُن کی برچھیاں اور چھویاں گلی میں چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ اگر وہ ہلہ کرکے چودھری سکندر کے مکان پر ٹوٹ پڑتے تو اُن کا مقابلہ مشکل ہو جاتا۔ مَیں جلدی سے گلی میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف بھاگا اور اس کے پٹ کھول کر اگلے سواروں پر بندوق سے فائر کیا۔ دو گھوڑیاں اُچھل کر گریں اور ان کے سوار بھی لڑھک گئے۔ گولی کی آواز سن کر چڑھتا ہوا طوفان پرے ہی رُک گیا اور آنے والوں نے گھوڑیوں کی لگامیں کھینچ لیں۔

چودھری سکندر نے ڈیوڑھی کا دروازہ بند کرکے کنڈی چڑھالی تھی ملک اللہ جوایا اپنے آدمیوں کے ساتھ صحن میں کھڑا تھا اور اس کے کپڑے خون میں بھیگے ہوئے تھے۔ لڑائی میں اس کی ران پر چھوی کا زخم لگا تھا۔ جس پر کس کر پٹی باندھ دی گئی تھی اور خون رِسنا بند ہو گیا تھا۔ لیکن چارپائی پر لیٹنے یا بیٹھنے کی بجائے وہ صحن کے چکر کاٹتا اور کبھی کھڑا ہو جاتا اس نے کہا۔

"اگر ٹانگ ٹھنڈی ہو گئی تو میں اپنے پاؤں سے چل پھر نہ سکوں گا اور تم مجھے چارپائی پر ہی ڈال کر لے جاؤ گے۔"

سیالوں کے بھی آٹھ آدمی بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ جن میں دو کی حالت زیادہ خراب تھی۔ ایک جس کے سر پر چوٹ آئی تھی ابھی تک بے ہوش پڑا تھا اور باقی دیواریں پھاند کر بھاگ گئے تھے۔ ملک کے حکم پر آٹھوں زخمیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر برآمدے میں ڈال دیا گیا تھا۔

گولی کی آواز سُن کر سیال گلی سے پرے ہی رُک گئے تھے۔ مَیں چوبارے سے اُتر کر نیچے آیا اور ملک کو بتایا۔ اب موقع ہے ہم بھی چوبارے کی کھڑکی سے حویلی میں کُود جائیں اور

گلی کی طرف "۔

اب وہ جمال سے مخاطب ہوا۔

" میں تجھے سیڑھیوں کے راستے نہیں بھیجوں گا۔ نیچے رنگو ہتم موجود ہے اگر اس نے تجھے دیکھ لیا تو تیری بوٹیاں اُڑا دے گا۔ جا کھڑکی کی طرف سے گلی میں کود جا —"

جمال لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی میں پہنچا اور نیچے کود گیا۔ اس کی گھوڑی ابھی تک گلی میں کھڑی تھی۔ اس نے سوار ہونے کے بعد گھوڑی کو گاؤں کی طرف موڑا اور سنسان گلیوں میں اُڑاتا ہوا مدرسے کی طرف نکل گیا مگر ٹھیک اس وقت جب جمال گھوڑی پہ سوار ہو کر بھاگا تھا۔ سیالوں کی پوری جنج گھوڑیاں اُڑاتی اور برچھیاں لہراتی سکندر سیال کی حویلی پر ٹوٹ پڑی۔

دراصل جمال کے جو ساتھی جان بچا کر بھاگ گئے تھے انہوں نے چودھریوں کو یہ بتایا تھا کہ ملکوں کی جنج نے دھوکے سے جمال کو گھیر لیا ہے۔ اب وہ چودھری سکندر کے گھر میں بند ہے۔ یہ خبر سنتے ہی چودھری حیات پوری جنج کے ساتھ چڑھ دوڑا۔

سلطانے نے بھی کھڑکی سے اس خطرناک صورتِ حال کو دیکھ لیا تھا۔

اسی اثنا میں جب وہ لاڈو رانی کا ہاتھ تھامے سیالوں کے بڑھتے ہوئے طوفان کو دیکھ رہا تھا۔ میں اُدپر پہنچا اور اسے ملک کا سندیس دیا۔

" سلطانے! ملک نے کہا ہے تم لاڈو رانی کو لے کر بیلے کی طرف نکل جاؤ۔ ہم بھی تمہارے پیچھے آتے ہیں۔"

اس نے مجھے تاکید کی۔ میں ہر حال میں ملک کے ساتھ رہوں پھر رابعہ کو لے کر اس کھڑکی میں آیا۔ جو حویلی کی طرف کھلتی اور زمین سے پندرہ سولہ فٹ اونچائی پر تھی۔ اس نے رابعہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے نیچے لٹکایا اور کہا۔

کود جائے۔ وہ بے خوف کود گئی۔ پھر سلطانے نے بھی چھلانگ لگا دی۔

لاڈو حویلی میں کھڑی تھی۔ میں نے ان دونوں کو گھوڑی پر سوار ہوتے دیکھا لیکن وہ دروازہ سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ سیالوں کی وار گلی کے قریب آ پہنچی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے

'چودھری! ہمیں بھی اجازت دے۔ اب سیالوں سے بیلے میں ملاقات ہوگی۔ اور تیری طرف کوئی نہیں آئے گا لیکن یہ بات پلّے باندھ لے جب تک پولیس نہ آجائے ان لوگوں کو یہاں سے نکلنے نہ دینا۔ یہ تیرے گھر کے اندر زخمی ہوئے ہیں۔"

ملک نے غلام رسول سے کہا وہ دروازہ کھول دے۔

ہم سب حویلی کی طرف بھاگے۔ ٹھیک دو منٹ کے بعد ہماری گھوڑیاں سیالوں کی وار کے پیچھے بھاگی جا رہی تھیں۔

●

میں یہ بتانا بھول گیا تھا۔ بیلے کے سرے پر ہیٹنی چالی[۴۰] فٹ[۲۵] چوڑی اور پندرہ سولہ فٹ گہری ایک کھائی کمان کی شکل میں تین چار میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ جسے لوگ سوکھی ڈیک کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کے اندر صرف برسات کے دنوں میں پانی جمع ہوجاتا تھا۔ ورنہ ڈیک سوکھی ہی رہتی تھی۔ درمیان میں کوئی ۲۰ فٹ چوڑی پٹی زمین کی سطح کے ساتھ ہموار تھی۔ جس نے سوکھی ڈیک کو دو حصّوں میں بانٹ دیا تھا۔ یہ پُل نما چوڑی پٹی بیلے میں آنے جانے کی قدرتی راہ تھی جس پر جنگلی کیکر اور سرکڑے (سرکنڈے) کے بوٹے کھڑے تھے۔

سیالوں کی وار دھول اڑاتی، برچھیاں اور چھویاں لہراتی ہم سے صرف ڈیڑھ دو فرلانگ آگے چلی جا رہی تھی۔ اگر ہم چاہتے تو یہ فاصلہ کم بھی ہوسکتا تھا لیکن ملک نے یہ فاصلہ جان بوجھ کر قائم رکھا تھا۔

تھوڑی دور جانے کے بعد لاڈو کی جھلک نظر آئی جو کمان کی مانند مڑتی ہوئی سوکھی ڈیک کے حاشیے پر اس چوڑی پٹی کی طرف اڑتی جا رہی تھی جو بیلے میں داخل ہونے کا واحد راستہ تھا۔ سیالوں کی کئی تیز رفتار گھوڑیاں اسے دو سمتوں سے گھیرنے کی کوشش میں اپنی جان ہلکان کیے دے رہی تھیں اور سوار انہیں بار بار اڈّی مارتے جاتے تھے۔ اس کے باوجود وہ لاڈو سے ڈیڑھ دو سو گز پیچھے تھیں۔

حویلی کی دیوار پھاند کر سلطانا پچھم کے رُخ بھاگا پھر ایک لمبا چکّر کاٹ کر بیلے

جس طرح سلطانا دیوار پھلانگ کر نکل گیا ہے ۔ ہم بھی نکل چلیں لیکن ملک نے جواب دیا۔
" رنگو ! ذرا ٹھہر جا ۔ مولا سائیں نے چاہا تو ہم دروازے ہی سے باہر جائیں گے "۔
ابھی اس نے بات ختم کی تھی کہ گلی سے پرے کئی آوازیں بلند ہوئیں ۔
" وہ بھاگ گیا ـــــــ وہ جا رہا ہے "۔
پھر جمال کی آواز سنائی دی ۔
" چاچا ! سلطانا رابعہ کو لے کر بھاگا جا رہا ہے "۔
میں جمال کی آواز سن کر بڑا حیران ہوا ۔ تھوڑی دیر پہلے وہ چوبارے پر تھا۔ اور خود سلطانے نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا تھا مگر کیدو لنگے کی طرح وہ ابھی تک شرارت سے باز نہ آیا تھا۔
چودھری حیات چیخ کر بولا۔
" اس کا پیچھا کرو "۔
پھر سیالوں کی گھوڑیاں سلطانے کے پیچھے بھاگیں اور ان کی ٹاپوں کی دھمک سے دھرتی کانپنے لگی ۔ ان کی آوازیں سن کر چودھری سکندر کا رنگ اُڑ گیا اور چہرہ کپاس کے پھول کی طرح زرد زرد نظر آنے لگا ۔ ملک نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ۔
" چودھری سکندر ! فکر نہ کر، کوئی مائی کا لال سلطانے کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتا وہ لاڈو پر سوار ہے اور ابھی تک پنجاب میں کوئی ایسی گھوڑی میں نے نہیں دیکھی، جو لاڈو کو پکڑ سکے "۔
حیرت سے چودھری سکندر کا چہرہ کچھ اور لمبا ہو گیا ۔ میں نے ڈیوڑھی کی دیوار پر چڑھ کے دیکھا ۔ گلی بالکل خالی پڑی تھی ۔ سیالوں کی وار سلطانے کے پیچھے بیلے کی طرف بھاگی جا رہی تھی اور ان کے پیچھے دھول کے بادل سے اُڑ رہے تھے ۔
میں نے ملک کو بتایا کہ میدان خالی ہو چکا ہے ۔ اس نے چودھری سکندر کا کندھا تھپتھپایا اور بولا۔

جیسے ان کے جسموں پر بچھو چھوڑ دیے گئے ہوں ۔ گولی کی آواز سے پورا بیلا گونج اُٹھا تھا اور سیال بے بسی کے ساتھ ہمیں یوں دیکھ رہے تھے جس طرح بکرا قصائی کو دیکھتا ہے ۔ گولی سے کوئی آدمی تو زخمی نہ ہُوا تھا لیکن اس ایک فائر نے نقشہ بدل دیا۔ سیالوں نے خوفزدہ نظروں سے ہمیں دیکھا گھوڑیوں کی لگامیں کھینچ لیں اور چھویاں، برچھیاں پھینک کر نیچے اُتر آئے ۔ پھر چودھری حیات کی آواز سُنائی دی ——

" ملک اللہ جوایا —— ! اب گولی نہ چلانا ۔ ہم نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں"۔

دراصل سیال دو طرف سے گھیرے میں آچکے تھے ۔ ایک طرف ہم تھے اور دوسری طرف ملک رانجھا اپنے آدمیوں کو لیے کھڑا تھا ۔ ڈیک کی پٹی کے اس طرف ہر جھاڑی ہر کریر اور سرکڑے کے ہر بُوٹے کے پیچھے ایک برچھی چمکتی نظر آتی تھی اور برچھیوں کا یہ سلسلہ دُور تک پھیلا ہُوا تھا ۔ ملک رانجھے نے اپنے آدمیوں کو اس طرح پھیلایا تھا کہ شبہ ہوتا تھا۔ سارا بیلا برچھیوں اور چھویوں سے بھرا ہوا ہے ۔

سیال اس ارادے سے بیلے میں داخل ہوئے تھے کہ وہ سلطانے کو گھیر کر جان سے مار دیں گے اور رابعہ کو زبردستی اُٹھا کر لے جائیں گے ۔ کم سے کم چودھری جمال اسی نیت سے آیا تھا لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی ۔ بیلے میں ان کے لیے پہلے ہی پھاہیاں بچھی ہوئی ہیں ۔ ملک رانجھا نے برچھیوں اور چھویوں سے ان کا سواگت کیا اور وہ بدحواس ہو کر واپس مڑے لیکن ابھی پٹی سے پرے ہی تھے کہ ادھر سے ہم نے فائر کر کے خیریت پوچھی ۔ اب ان کی رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی اور انہوں نے ہتھیار پھینک کر ہار مان لی ۔

چودھری حیات —— لُٹے ہوئے جواری کی طرح اپنی بازی ہار بیٹھا تھا ۔

تھوڑی دیر پہلے چودھری سکندر کی حویلی میں مجھے ملک اللہ جوایا پر رہ رہ کر غصّہ آرہا تھا کہ سیال بھی جنج لے کر آرہے ہیں اور گاؤں میں لڑائی کا خطرہ ہے تو وہ ۲۷ آدمی بیلے میں کیوں چھوڑ آیا ؟

اگر پُوری جنج آتی تو ہم سیالوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکتے تھے اور مکان کے

کی جانب ہو لیا تھا۔ سیالوں نے اسے اس وقت دیکھا جب وہ بیلے کی طرف مڑا اور اس کے پیچھے لپکے۔ اگر اسے لمبا چکر نہ کاٹنا پڑتا تو سیالوں کی نظریں بھی اس کا پیچھا نہ کر سکتیں۔ اب ان کی انتہائی کوشش یہ تھی۔ اسے چوڑی پٹی کے آس پاس جا لیں تاکہ بیلے میں داخل ہو کر وہ کہیں آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اس مقصد کی خاطر وہ دو سمتوں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ لاڈو کے علاوہ اگر سلطانے کے نیچے کوئی دوسری گھوڑی ہوتی تو شاید وہ اسے گھیر بھی چکے ہوتے کیوں کہ سیالوں کی چند گھوڑیاں بھی ہَوا کے ساتھ شرط باندھ کے بھاگتی اور بلا کی تیز رفتار تھیں لیکن وہ لاڈو تھی جس کے لیے ٹوانے کئی مہینے ملک اللہ جوایا کے ڈیرے پر پھرتے رہے تھے۔ وہ بھلا سیالوں کے ہاتھ کہاں آتی۔

سوکھی ڈیک کی پٹی سے تھوڑی دُور اِدھر سیالوں نے آوازیں بلند کیں سلطانے کو للکارا۔ چھویاں پھینکیں، گھوڑیوں کو پوری قوت سے اڈی ماری اور اپنا پورا زور لگا دیا کہ وہ کسی طرح اسے گھیر سکیں مگر لاڈو ہَوا میں اُڑتی اور فضا میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چوڑی پٹی پار کی اور بیلے میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ سیال بدستور اس کے تعاقب میں بھاگتے چلے گئے۔ ان میں چودھری جمال کی کالی گھوڑی سب سے آگے تھی مگر جونہی وہ ڈیک کی پٹی پار کر کے بیلے میں داخل ہوئے ملک رانجھا اپنے آدمیوں کو لے کر باز کی طرح جھپٹا۔

ہم ابھی ڈیک سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ دُور تھے کہ میں نے سیالوں کو افراتفری اور بدحواسی کی حالت میں مُڑتے دیکھا۔ پوری وار تیزی کے ساتھ پلٹ رہی تھی اور سوار بہت گھبرائے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کو پلٹتے دیکھ کر ہم نے بھی ڈیک سے ایک فرلانگ اِدھر گھوڑیاں روک لیں، اور ملک میری طرف دیکھ کر بولا۔

"رنگو! اب بندوق کیوں نہیں چلاتا۔ یاد رکھ ان میں سے کسی آدمی کو پٹی پار کر کے اس طرف نہیں آنا چاہیے۔"

شاید سیالوں نے ابھی تک ہمیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ یا اگر دیکھ بھی لیا تو اپنے ہی آدمی سمجھا تھا مگر جب میں نے دونالی سیدھی کر کے فائر کیا تو وہ گھوڑیوں پر یوں اُچھلے

تھا اُسے آنے دوں کیوں کہ وہ میرا شکار ہے۔ پھر وار تو ہماری برچھیوں کو دیکھ کر واپس ہو گئی مگر سُلطانے کو پلٹتے دیکھ کر چودھری جمال بیلے کی طرف بھاگ گیا۔ اب سُلطانا اس کا پیچھا کر رہا ہے

ملک نے گھبرا کر پوچھا

"رابعہ کہاں ہے"

رانجھا جواب دینے ہی والا تھا کہ سرکڑوں کی اوٹ سے آواز آئی۔

"چاچا! میں یہاں بیٹھی ہوں"

"او پُتری! تُو ٹھیک ہے نا ——— کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ اس بھاگ دوڑ میں تجھے"

"نہیں چاچا! کوئی چوٹ نہیں آئی پر سلطانا زخمی ہے۔ اس کے جسم سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ اب وہ جمال کے پیچھے نِکل گیا ہے۔ اللہ سائیں خیر کرے"۔

ملک گھوڑی سے اُتر کر لاڈو رانی کی طرف بڑھا جو سرکڑوں کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر وہ اَدب سے کھڑی ہو گئی۔ ملک نے اپنی بہو رانی کے سر پر پیار دیا اور کہا۔

"میری پُتری! تجھے بڑی تکلیف ہوئی مگر ہونی ہو کر رہتی ہے"

"مجھے کوئی تکلیف نہیں چاچا! پر سلطانا ابھی تک نہیں آیا۔ تم اس کی خبر لو۔"

ملک بڑے اطمینان سے بولا۔

"فکر نہ کر لاڈو رانی! میرا شیر پُتّر دس بارہ جمالوں پر بھاری ہے۔ اب وہ چودھری جمال کو باندھ کر ہی لائے گا"

اندر نہ دبکے رہتے لیکن اب مجھے اس کی حکمت کا علم ہوا۔ اس لڑائی کا فیصلہ ہر حال میں اس بیلے کے آس پاس ہونا تھا۔

ملک کی تدبیر یہ تھی۔ اس کے پندرہ آدمی گاؤں سے اس طرح نکلیں گے کہ سیال ان کا تعاقب کریں۔ اس طرح وہ انہیں اپنے پیچھے لگا کر بیلے تک لے آئے گا اور پہلے سے چھپے ہوئے آدمی ان پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے مگر حالات آپ سے آپ اس کی تدبیر کے مطابق عمل میں آئے اور چودھری حیات کی بدبختی اُسے سلطانے کے پیچھے لگا کر بیلے میں کھینچ لائی تھی۔

ملک کی آواز پر رانجھا اور اس کے آدمیوں نے سرکڑوں (سرکنڈوں) کی اوٹ سے نکل کر سیالوں کے ہتھیار اکٹھے کر لیے تھے۔

اب میں نے غور کیا تو پتہ چلا اس وار میں سیالوں کی پوری جنج شامل نہ تھی بلکہ صرف چالیس آدمی آئے تھے۔ باقی رات چودھریوں کے ہمراہ جنھوں نے جمال کی تماش بینی کا قصہ سُن لیا تھا اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔

جب رانجھے نے ہتھیار جمع کر لیے تو ملک اللہ جوایا ہمیں لے کر آگے بڑھا اور ڈیک کی پٹی پر پہنچ کر اس نے اپنی رانی کی لگام کھینچ لی۔ سیالوں میں میری نظریں چودھری جمال کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ اسی وقت ملک نے پوچھا۔

"رانجھے! سلطانا کہاں ہے؟"

"وہ چودھری جمال کا پیچھا کر رہا ہے۔"

"کیا کہا؟"

"میں نے ٹھیک کہا ہے ملک جی!"

پھر رانجھا بتانے لگا۔

"بیلے میں آتے ہی اس نے رابعہ کو گھوڑی سے اُتارا اور برچھی سنبھال کر پلٹ پڑا تھا۔ چودھری جمال اس کا پیچھا کرتا ہوا بہت آگے نکل آیا تھا۔ سلطانے نے مجھے کہا

چل رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر "ہائے ہائے" کی بہت ہی مدھم آواز سِسک رہی تھی۔ جو مشکل سے سُنائی دیتی تھی۔ چودھری حیات بڑے دُکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"سُلطانے! یہ تُو نے کیا غضب ڈھایا۔ اس بدبخت کی ماں صدمے سے مر جائے گی۔"

"چودھری حیات! کرنی کا پھل سب کو ملتا ہے۔ جمال نے جو کچھ بویا تھا وہ کاٹا ہے۔ مجھ سے شکایت کیوں کرتے ہو"

پھر سلطانے نے بتایا ——

"جب جمال نے چوروں کی طرح چودھری سکندر کے مکان پہ حملہ کیا اور دن دہاڑے ہماری عزّت لوٹنے کی کوشش کی تو میں نے اسے چوبارے پر گھیر لیا تھا لیکن یہ میرے پاؤں پہ گر پڑا اور اللہ رسولؐ کا واسطہ دے کر کہنے لگا۔ میں اُسے چھوڑ دوں۔ اللہ رسولؐ کے نام پر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اسے وہاں سے نکال دیا لیکن یہ پھر پوری دار لے کر میرے پیچھے بھاگا۔ ڈیک کی پٹی پہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا وہ مجھے جان سے مار دیں۔ انہوں نے مجھ پر برچھیاں پھینکیں لیکن میں بچ کر نکل آیا۔ بیلے میں ہمارا راج تھا۔ میں نے جلدی سے رابعہ کو گھوڑی سے اتارا اور برچھی لے کر پلٹ پڑا پھر ہونی جمال کو گھیر کر بیلے میں لے آئی اور یہ میرے آگے لگ کر بھاگا۔ اس کی کالی گھوڑی ہَوا سے باتیں کرتی تھی لیکن لاڈو نے فوراً ہی اسے جا دبوچا۔ میری لاٹھی کی چوٹ کھا کر جمال گھوڑی سے گرا۔ جب میں لاڈو سے اُتر رہا تھا اس نے جلدی سے سنبھل کر بے خبری میں چھوی ماری۔ وہ ایسا وار تھا۔ اگر میں اُچھل کر پیچھے نہ ہٹتا تو اس وقت یہاں میری لاش پڑی ہوتی۔ پھر میں نے بھی حملہ کیا اور لاٹھی سے اس کی ٹانگ توڑ دی۔ اس نے اللہ رسولؐ کے نام کی لاج نہ رکھی اور اپنے قول سے پھر گیا تھا۔

●

دِن کا تیسرا پہر ڈھل رہا تھا۔ سوکھی ڈیک کے کِنارے سیال اپنی بازی ہار بیٹھے تھے اور سورج کی پیلی دھوپ میں ان کے اُداس چہرے کسی دیوالیہ مہاجن کے بہی کھاتے

تھوڑی دیر کے بعد سلطانا بھی آگیا - وہ چودھری جمال کو باندھ کر تو نہیں البتہ لاد کر ضرور لایا تھا -

جمال پر نیم غشی سی طاری تھی - کپڑوں پر خون کی چھینٹیں تھیں - چہرے پر مُردنی چھائی تھی - آنکھوں سے ویرانیاں جھانک رہی تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی ہلکی کراہ تھی جیسے وہ کئی مہینوں سے بیمار ہو - سلطانے نے بازو کا سہارا دے کر اسے گھوڑی سے اُتارا اور زمین پر ڈال دیا - سب لوگوں نے اُسے حیرت سے دیکھا - چودھری حیات تڑپ کر اُٹھا اور قریب آکر بولا -

"کیا یہ مرگیا ہے ؟"

"نہیں زندہ ہے - میں نے اس کی ٹانگ توڑ دی ہے - اب یہ زندگی بھر چل پھر نہیں سکے گا"

چودھری حیات نے جلدی سے جمال کی نبض پر ہاتھ رکھا - نبض چل رہی تھی ، سانس

ہونی ہو کر رہی ــــــــ"

"اوئے بُرّیا! مینوں رکیہ پتا سی توں ایہو جئے چن چڑھائیں گا۔"

(اوئے بدکار! مجھے کیا علم تھا تو ایسے چاند چڑھائے گا۔")

چودھری حیات اپنا سَر پیٹ رہا تھا۔

"اوے بُرّیا ــــــــ! تُو نے میرے سَر میں مٹی ڈال دی ہے۔ مجھے سیالوں میں ذلیل کر دیا ہے۔ اب میں جا کر تیری ماں کو کیا جواب دوں گا جو گھر میں بیٹھی تیرے ڈولے کا انتظار کر رہی ہے؟"

مَیں نے آگے بڑھ کر چودھری حیات کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"چودھری! بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ ابھی تو ایک اور چاند چڑھنے والا ہے۔ اور ہم اس بیلے میں بیٹھے اسی چاند کا انتظار کر رہے ہیں"

چودھری حیات رُندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب اور کیا چاند چڑھے گا۔ ہم پر تو کالی رات آ گئی"

ملک اللہ جوایا نے بتایا۔

"رنگو ٹھیک کہتا ہے جب ہم اپنے ڈیرے سے جنج لے کر چلے تھے تو مجھے علم تھا تم بھی جنج لے کر آ رہے ہو اور لڑائی کر کے لڑکی کو زبردستی اُٹھا لے جانا چاہتے ہو اس لیے مَیں نے صبح ہی چودھری سکندر کی طرف آدمی دوڑایا اور یہ سندیس بھیجا تھا۔ وہ جھنگ پولیس کو خطرے کی اطلاع دے دے اور پولیس کی مدد حاصل کرے۔ میرا سندیس ملتے ہی اس نے جھنگ نگہبانہ کی طرف آدمی دوڑا دیا تھا۔ شاید تم نہیں جانتے جھنگ کا ڈی۔ ایس۔ پی چودھری سکندر کا یار بیلی ہے۔ چودھری نے اسے خطرہ سے آگاہ کر کے تاکید کی تھی۔ وہ خود پہنچے۔ میرا خیال ہے وہ پولیس لے کر آتا ہی ہو گا۔ چودھری حیات تم سیانے آدمی ہو۔ تمہیں اتنا تو پتا ہو گا کہ شریف اور معزز آدمی کے گھر بلوہ کرنا چھویاں، برچھیاں اور بندوقیں لے کر دن دہاڑے اس کے اندر گھس جانا اقدامِ قتل کی کارروائی ہے۔ چک سیالاں کے سب لوگ تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ وہ لوگ جو ہتھیار لے کر

کے کاغذوں کی طرح بے نور اور بے رنگ نظر آرہے تھے۔ چودھری حیات نے ابھی تک انہیں اپنے بھتیجے کی وہ رام کہانی نہیں سُنائی تھی جو ملک اللہ جوایا کی زبانی سُن چکا تھا۔ بھلا وہ اپنی برادری سے کتا بھی کیا لیکن ملک اللہ جوایا نے وہ رام کہانی پھر دہرائی اور سیالوں کو بتایا۔ باپ کے مرنے کے بعد کس طرح جمال تماش بینی میں پڑ گیا۔ کس طرح اس نے اپنی زمینیں فروخت کیں۔ کس طرح اس کے ۱۲ مربعے سُکھلانے نے خرید لیے اس نے لاہور جا کر کیسے ہزاروں روپے برباد کر دیے اور کنجروں کے گھر شادی رچا کر سیالوں کی عزّت نیلام کر دی پھر اگر چودھری سکندر سا اپنی بیٹی کی منگنی نہ توڑ دیتا تو کیا کرتا؟

سیالوں نے یہ قصّہ سُنا تو ہکّے بکّے رہ گئے۔ ملک اللہ جوایا نے انہیں ۱۲ مربعوں کی ملکیت کے اشٹام دکھائے۔ عدالت کی مہریں دکھائیں۔ گواہوں کے دستخط اور انگوٹھے دکھائے اور پٹواری کے کھاتے سے خسرہ نمبر کا حوالہ دے کر انتقال اراضی اور اپنے قبضہ کا ثبوت پیش کیا۔ سب لوگ توبہ توبہ کر اُٹھے کہ باپ اتنا نیک تھا اور بیٹا ایسا بد نکلا اس کا چاچا حیات شرم کے مارے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ وہ بھی اب برادری کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہ گیا تھا۔

جمال کو ہوش آ چکا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

'چاچا ——— ! ملک اللہ جوایا نے جو کچھ کہا ہے سب ٹھیک ہے۔ میری عقل پر پردہ پڑ گیا اور بُرے یاروں کی صحبت میں پڑ کر میں بُرے کاموں میں پھنس گیا۔ اگر فلم کمپنی کا دھندہ شروع نہ ہوتا تو میں کنجروں کے چکر میں نہ پھنستا۔ مجھ سے روپیہ بٹورنے کی خاطر وہ مجھے سبز باغ دکھاتے اور فریب دیتے رہے۔ انہوں نے کہا تمہاری نجما فلم ایکٹرس بن گئی تو لاکھوں روپے کمانے لگے گی۔ ہم تجھے لڑکی نہیں سونے کی کان دے رہے ہیں۔ میری مت ماری گئی اور کنجروں کے چکر میں پھنس کر میں نے اپنے مربعے بیچے، روپیہ کنجروں کے گھر اُجاڑ دیا اور رابعہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

چاچا ——— ! میں نے پہلے ہی کہا تھا جو کچھ ہو چکا ہے اس پر مٹی ڈالو میں چودھری سکندر سے بدلہ لینا نہیں چاہتا لیکن تم نہ مانے جنج لے کر چل دیئے اور

واسطہ مَیں سچے دِل سے معافی مانگتا ہوں ۔ میری زندگی تو برباد ہو چکی میرے بزرگوں کو برباد نہ کرو ۔ سلطانے تُو بھی بخش دے ۔ آج سے مَیں رابعہ کو اپنی بہن سمجھوں گا اور تجھے اپنا بھائی ۔"

ملک اللہ جوایا نے قہر بھری نظروں سے جمال کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا ۔

" کتا ـــــــ بے شرم ـــــ اتنے آدمیوں کو مروانے چلا تھا ۔ میں تو معاف کر دوں گا لیکن یاد رکھ ! تیری ماں کے دِل سے نکلی ہوئی آہ تجھے برباد کر دے گی ۔"

جمال چُپ چاپ لیٹا رہا ۔ ملک ابھی تک برہم اور خفا تھا ۔ وہ بولا ۔

" کتا بڑا سیال چودھری بنا پھرتا ہے ۔ اوئے جٹ زمینداروں کے پُتّر زمین بیچا کرتے ہیں ؛ وہ زمین سے پیار کرتے اور اس کا رُوپ سنوارتے ہیں ۔ تجھے شرم نہ آئی مربعے بیچتے ہوئے ؛ وہ تیرے باپ دادا کی عزّت تھی ۔ جب چودھریوں کے پُتّر اپنی زمینیں بیچ دیں تو دھرتی اُنہیں چُوہڑہ سمجھتی ہے ۔

زمیندار وہ ہے جو عورت سے نہیں زمین سے پیار کرتا ہے ۔ وہ زمین پر سونا ، زمین کو بوتا اور زمین سے اپنا پاک رزق پیدا کرتا ہے ۔ زمیندار کا زمین سے صدیوں اور نسلوں سے رِشتہ چلا آتا ہے مگر تُو ایسا زمیندار نکلا کہ ایک کنجری کے لیے زمین کو طلاق دے دی ـــــــ تجھ میں اور ایک چوہڑے میں کیا فرق رہ گیا ۔"

پھر وہ چودھری حیات سے مخاطب ہوا ۔

" چودھری حیات ! تُو نے سچ کہا تھا ۔ کتنی اولاد کے لیے ماں باپ کو سب کرنا پڑتا ہے ۔ لے پگڑی اپنے سَر پر رکھ ۔ یہ سیالوں کی عزّت ہے اور مَیں کسی کی عزت برباد ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا ۔ ہونی ہو چکی اگر معاملہ یہیں ختم ہو جائے تو اچھا ہے مگر تجھے چودھری سکندر سے معافی ضرور مانگنی ہو گی ۔ تو نے ایک باپ کا دِل دُکھایا ہے ۔"

" ملک جی ! تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں ۔ مَیں چودھری سکندر کے پاؤں پڑ جاؤں گا ۔"

پھر ملک نے مجھے بُلایا اور کہنے لگا ۔

" رنگو ! لاڈو پہ بیٹھ کر ذرا چک سیالاں تک چلا جا اور چودھری سکندر کو ساتھ

چودھری سکندر کے گھر میں گھسے اور اب وہاں زخمی پڑے ہیں۔ کم سے کم سات سال کے لیے جیل جائیں گے۔ تم بھی نہیں بچ سکتے کیوں کہ تم نے بلوہ کرایا۔ ہتھیار بند آدمی لے کر آئے اور جمال کے خلاف تو بے شمار ثبوت ہیں، پولیس تمہاری پوری جنج کو ہتھکڑیاں لگائے گی۔ حوالات میں دے گی۔ پھر مقدمہ چلے گا اور عدالت فیصلہ کرے گی کہ بلوائیوں کو کیا سزا دے ——— یہ چاند ابھی چڑھنے والا ہے اور میں نے تمہیں اسی لیے بٹھا رکھا ہے تاکہ خود پولیس کے حوالے کر سکوں "۔

چودھری حیات کا رنگ تو پہلے ہی اُڑ چکا تھا۔ اب اس پر دہشت سوار ہوئی اور اس کے ساتھ دوسرے آدمی بھی دم بخود رہ گئے۔ اب انہیں اپنے جرم کا احساس ہُوا اور وہ سہمی ہوئی آنکھوں سے ملک اللہ جوایا کی طرف دیکھنے لگے۔ چودھری حیات چلّا کر اپنے بھتیجے سے بولا۔

" بُرا کیا ——— ! تیرے پیچھے اب ہتھکڑیاں بھی پڑیں گی اور حوالات بھی جائیں گے ——— ہائے میری قسمت ——— ہائے بُرے نے بُرا کمایا ———"

ایک ادھیڑ عمر چودھری نے حیات کا ہاڑا سُن کر کہا۔

" حیات ! اب ہاڑے کرنے سے کچھ نہ ہو گا۔ اگر پولیس آگئی تو سب کو باندھ لے گی۔ ساری زندگی شریکا تجھے جوتیاں مارتا اور تیرے نام پر تھوکتا رہے گا۔ ابھی وقت ہے چودھری سکندر اور ملک اللہ جوایا سے معافی مانگ۔ ان کے پاؤں پر سر رکھ دے اور اپنی تقصیر بخشوا لے "۔

یہ سُنتے ہی چودھری حیات نے اپنے سر سے پگڑی اُتار کر ملک کے پاؤں پر رکھ دی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔

" ملک اللہ جوایا ——— ! کتنی اولاد کے لیے ماں باپ کو سب کچھ کرنا پڑتا ہے میری پگڑی کی لاج اب تیرے ہاتھ ہے۔ مجھے معاف کر دے "۔

ملک نے پگڑی اپنے ہاتھوں میں اُٹھالی۔ اسی وقت جمال گڑگڑا کر بولا۔

" ملک جی ——— ! میری غلطی کی سزا میرے بڑوں کو نہ دو۔ رب رسولؐ کا

کو پتھر سمجھ کر ٹھوکر مار چکا تھا۔"

"تو نے بیٹی دے کر بیٹا پا لیا۔"

"ہاں۔ بیٹیاں دے کر ہی بیٹے حاصل کیے جاتے ہیں۔"

پھر چودھری سکندر نے جمال کی حالت بھی دیکھی۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ کیوں کہ لاٹھی کی ضرب سے اس کی دائیں ٹانگ کی ہڈی چور چور ہو چکی تھی۔ پھر اس ملاپ کے لیے سب لوگوں نے ملک اللہ جوایا کا شکریہ ادا کیا اور باری باری سب نے اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ سورج ڈوبنے والا تھا۔ جب سیالوں نے سلطانے کی جنج کو رخصت کیا۔ گاؤں سے بروالے ڈولا لے کر پہنچ گئے تھے۔ چک سیالاں کی نائن بھی آگئی تھی۔ لاڈو رانی کو باپ نے گود میں اٹھا کر ڈولے میں بٹھایا۔ چودھری حیات بھی اپنے ساتھ زیور وغیرہ لے کر آیا تھا اس نے وہ زیور اپنی طرف سے رابعہ کو پیش کیے لیکن ملک اللہ جوایا آگے بڑھ کے بولا۔

"یہ زیور میری پتری نہیں پہنے گی۔ انہیں جمال کی ماں تک پہنچا دینا اور میری طرف سے کہنا۔ ملک اللہ جوایا چند روز میں آئے گا اور جمال کو لے جائے گا۔ اب میں ہی اس کا علاج کراؤں گا۔"

پھر اس نے چودھری حیات کو تاکید کی۔ وہ جمال کو سیدھا ہسپتال لے جائے اور جب تک وہ خود نہیں آتا اس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ پھر جنج گھوڑیوں پر سوار ہوئی۔ باپ نے بیٹی کو رخصت کیا۔ بروالوں نے ڈولا اٹھایا اور سلطانا ڈولے پر سوار لاڈو کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔

سیال اس وقت تک کھڑے ہمیں دیکھتے رہے جب تک ہم بیلے میں ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ پھر شام کے اترتے ہوئے سایوں میں انہوں نے چودھری جمال کی چارپائی اٹھائی اور جھنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ ڈولا لینے آئے تھے۔ اپنے کندھوں پر جمال کی چارپائی اٹھا کر لوٹ گئے۔

لے آ۔ اُسے کہنا اگر ڈی۔ ایس۔ پی آگیا ہو تو اسے سمجھا بُجھا کر واپس کر دے۔ جو کچھ ہو چکا وہی بہت ہے ——— جا دیر نہ کر اور جلدی سے واپس آجا۔ ہم بھی اپنا سفر کھوٹا نہیں کرنا چاہتے۔"

مَیں نے لاڈو کی باگ سنبھالی اور اسی وقت چک سیالاں کی طرف روانہ ہو گیا۔

●

شاید واہگورو کو کوئی بہتری مقصود تھی جب مَیں چودھری سکندر کے ہاں پہنچا تو پولیس ابھی تک نہ آئی تھی۔ مَیں نے چودھری کو تمام واقعہ سنایا اور کہا کہ اب سیال سُوکھی ڈیک کے کنارے اس کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ جب تک وہ نہیں جائے گا۔ بات ختم نہ ہو سکے گی۔

چودھری سکندر کو غصّہ تو بہت تھا لیکن جب اُس نے سُنا کہ جمال کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی اور چودھری حیات نے اپنی پگڑی ملک اللہ جوایا کے قدموں میں رکھ دی تو اس کا دِل نرم پڑ گیا۔ اس نے زخمی آدمیوں کو بھی ساتھ لیا اور بیلے کی طرف چل دیا۔

اُسے دیکھتے ہی چودھری حیات بھاگ کر آگے بڑھا۔ اس نے چودھری سکندر کی رکاب تھام لی اور گڑ گڑا کر بولا۔

"چودھری! ——— سو گناہ خدا معاف کرتا ہے تو میرا ایک گناہ معاف کر دے۔"

سکندر کے آتے ہی سب لوگ کھڑے ہو گئے تھے وہ گھوڑے سے اُترا اور روتے ہوئے چودھری حیات سے بغل گیر ہو گیا۔ حیات گلو گیر آواز میں بولا۔

"مجھے معلوم نہ تھا ملک اللہ جوایا کے بھیس میں تُو نے ایک فرشتے سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ ربّ رسولؐ کی قسم! جمال رابعہ کے قابل نہیں تھا۔ اللہ سائیں نے اُسے بالکل ٹھیک سائیں بخشا ہے۔ سلطانا باپ کی طرح تیری عزت کرے گا۔ تجھے ہیرا مِل گیا ہے۔"

"چودھری حیات! مولا سائیں کا مجھ پر خاص فضل ہُوا ورنہ مَیں تو اس ہیرے

گردن میں لٹکا رہتا تھا اور برکت خود نفیری پر اپنا زور لگاتا تھا جسے وہ کلارنٹ کہا کرتا تھا - اس مختصر سے باجے کا نام اُس نے " برکت بینڈ " رکھا ہُوا تھا - اس علاقہ میں کسی کے ہاں شادی بیاہ بالڑکا پیدا ہونے کی ودھائی ہو برکت بینڈ خود بخود پہنچ جاتا تھا -

جُوں جُوں ہم ڈیرے کے قریب ہوتے چلے گئے برکت بینڈ کی آواز بھی اُونچی ہوتی چلی گئی - حتیٰ کہ ہم ڈیرے پر پہنچ گئے - چند کامے لالٹینیں اُٹھائے راستہ دکھانے کی غرض سے کھالے پر آگئے تھے پھر وہ لالٹینیں ڈولے کے آگے چلنے لگیں -

حویلی کے باہر بروالوں نے ڈولا رکھ دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے - سُلطانا بھی گھوڑی سے اُتر کر پاس ہی کھڑا ہو گیا تھا - سب سے پہلے ملکانی ڈولے کی طرف بڑھی اور اس کے پیچھے کھڑی عورتوں اور جوان لڑکیوں نے ایک مشہور گیت چھیڑ دیا - جس کا اشارہ لاڑے کی طرف تھا - وہ رات آج بھی میری نظروں میں گھوم رہی ہے - جب سُلطانا لاڈو رانی کا ڈولا لے کر ڈیرے پہنچا تھا اور وہ گیت ابھی تک میرے کانوں میں گُونج رہا ہے جو اس رات ڈیرے کی عورتوں نے مِل کر گایا تھا -

" پانی وارنیے ——— مائے نی !
بنّا باہر کھڑا
سُکھّاں سُکھدی نوُں ایہہ دن آئے نی
بنّا باہر کھڑا - "

(اے ماں اے ماتا ——— ! جو پانی وار رہی ہے یہ بات سُن لے کہ لاڑا باہر کھڑا ہے - یعنی دولہا کو اس بات کا انتظار ہے - تو کب پانی وارے اور وہ کب دُلہن کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کرے - میں نے کتنی ہی منّتیں مانی ہیں تب کہیں جاکر یہ مبارک دِن آیا کہ دُلہن اس گھر کے دروازے پر آئی - اب دیر نہ کر کیوں کہ دولہا باہر کھڑا انتظار کر رہا ہے کہ کب گھر میں داخل ہو ———)

ملکانی کے پیچھے پیچھے سُلطانے کی ماں اور دوسری عورتیں بھی آگے بڑھیں - چک سیالاں کی نائن نے جو ڈولے کے ساتھ آئی تھی لاڈو رانی کو باہر نکالا پھر ملکانی نے دولہا دلہن

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی ۔ جب ڈولا ملک کے ڈیرے پر پہنچا۔ اس نے عبدل کو پہلے ہی اپنے آگے آگے روانہ کر دیا اور یہ تاکید بھی کی تھی ۔ وہ کسی کو لڑائی کے متعلق کچھ نہ بتلائے ۔

سلطانے کی ماں اور ملک کی بیوی ڈیرے کی عورتوں اور جوان لڑکیوں کو لیے حویلی کے باہر کھڑی گھوڑیاں گا رہی تھیں ۔ مرد لالٹینیں اٹھائے جنج کی راہ دیکھ رہے تھے ۔ حویلی کا صحن گیس کی تیز روشنی سے جگمگا رہا تھا اور برکت بھرائی اپنے دو لڑکوں اور ایک بھانجے کے ساتھ حویلی کے دروازے پر کھڑا باجہ بجا رہا تھا۔ اُس نے مدھم سُروں میں ایک فلمی دُھن چھیڑ رکھی تھی ۔ یہ گانا اُن دنوں بہت مشہور ہُوا تھا اور اسے بے بی نورجہاں[۱] نے گایا تھا۔

"سوہنیاں دیساں وِچوں دیس پنجاب نی سیّو !
جیویں پھُلاں وِچوں پھُل گلاب نی سیّو !

ہم نے ٹاہلیوں کی لمبی قطار کے پاس پہنچتے ہی لالٹینوں کے ٹمٹماتے ہوئے شعلے دیکھ لیے تھے جہاں سے ڈیرہ ڈیڑھ سوا میل کے فاصلے پر تھا ۔ اندھیری رات میں ان روشنیوں کے علاوہ برکت بھرائی کے پیٹیچر سے باجے کی آواز بھی ہولے ہولے بلند ہو رہی تھی ۔ وہ ڈیرے سے تھوڑی دُور پر ایک چک میں رہتا تھا۔ اس کے دو لڑکے پیتل کے باجے بجاتے وقت جب اپنے گال پھُلاتے تو بالکل برساتی مینڈک معلوم ہوتے تھے ۔ بھانجا ایک چوڑا ڈھول بجایا کرتا جو نوار کی ایک میلی کچیلی پٹی کے ساتھ اس کی

---

[۱] یہ گانا دراصل فلم "ہیر سیال" کا ہے ۔ جس میں صبیحہ خانم کی والدہ اقبال بیگم عرف بالو نے ہیر کا اور کریکٹر ایکٹر ایم اسمٰعیل نے کیدو لنگے کا مشہور کردار ادا کیا تھا۔ ملکہ ترنم نورجہاں اُن دِنوں بے بی نورجہاں کے نام سے پہلی مرتبہ فلم میں آئی تھی اور اس نے ہیر کی چھوٹی نند کے رول میں 'پنجاب دیس' کا گانا گایا اور لوگوں کو اپنی آواز سے چونکا دیا تھا۔ (مصنّف)

"اللہ سائیں کرم کرے۔ تم چاچا بھتیجا کس سے لڑ کر آئے ہو ؟"
ملکانی بھی چلاّئی ——— "ہائے یہ تو تازہ خون ہے "
ملک اللہ جوایا نے دیوار کا سہارا لیا اور بیوی سے مخاطب ہُوا۔
" کرماں والی ——— ! یہ کسی دوسرے کا نہیں ہمارا اپنا خون ہے اور لاڈو رانی اس خون کے مول بھی سستی ہے۔ چل اندر چل اور بہو کو آرام کرنے دے۔ وہ بہت تھک گئی ہے۔"
حویلی کے کھلے ہوئے دروازے سے میں نے لاڈو رانی کو بھی دیکھا۔ اس نے گھونگٹ اٹھا کر ملک اللہ جوایا کے خون آلود کپڑوں پر نظر دوڑائی اور لپک کر آگے بڑھی پھر وہ ملک سے لپٹ گئی اور گلوگیر آواز میں بولی
" چاچا ——— ! یہ کیا ہو گیا۔ تمہارا خون ابھی تک بند نہیں ہُوا "
" کچھ نہیں پُتری ! ہو جائے گا بند، تُو فکر نہ کر۔" پھر وہ سلطانے سے مخاطب ہُوا ——— " پُتّر ——— ! تُو پہلے کپڑے بدل لے۔"
ملکانی پوچھتی ہی رہی خون کیسے بہا مگر ملک بہو کے سَر پر ہاتھ پھیر کر واپس آگیا پھر اس نے ڈیرے کی ایک کوٹھڑی میں کپڑے تبدیل کیے۔
میں نے پوچھا " ملک جی ! کہیں زخم خطرناک تو نہیں سارے کپڑے خون میں تر ہو رہے ہیں۔"
" رنگو پُتر ——— ! تو بھی کس وہم میں پڑ گیا ہے۔ معمولی زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ تو اب آرام کر۔ عبدل تیرا کھانا حُجرے میں رکھ آیا ہے۔"
یہ کہہ کر وہ غلام رسول کے سہارے حویلی کی طرف چل دیا۔ میں مطمئن تھا۔ اگر کوئی تشویش انگیز بات ہوتی تو ملک مجھ سے ضرور ذکر کرتا۔ جانگی کھانے میں مصروف تھے اور بعض کھانے سے فارغ ہو کر وہیں چارپائیوں پر اونگھ رہے تھے میں جب حُجرے میں پہنچا تو چونک اٹھا۔ حجرے میں لالٹین جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں چھ ہر ہٹے کے میٹھے مالٹے کی بوتل بستر کے تکیہ کے پاس پڑی چمک رہی تھی ایک چوکی پر

پر پانی وارا اور بہو کا ہاتھ تھام کے اندر داخل ہوگئی ۔ سلطانے کی ماتا جسے میں ماں جی کہتا تھا ۔ ملکانی کے ساتھ ساتھ بھاگی پھرتی تھی ۔ اس کے رویں رویں سے خوشی پھوٹ رہی تھی ۔

عورتوں نے سہاگ کا گانا چھیڑ رکھا تھا ۔

حویلی کے باہر برکت بھرائی اپنے بینڈ پر ودھائی کا گیت بجا رہا تھا جہاں لالٹینوں کی مدھم سی روشنی پھیلی تھی ۔ باراتی ڈیرے کی طرف جا رہے تھے جس کی دیوار کے ساتھ دیگیں چڑھی تھیں اور جلال نائی ایک تھارے کے نیچے بیٹھا بڑی بڑی پراتوں میں پلاؤ نکال رہا تھا جس کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی ۔ ملک اللہ جوایا نے گھوڑی کے سہارے کھڑے کھڑے غلام رسول کو ہدایت کی —— "سب لوگوں کو کھانا کھلا دو، کوئی بھوکا نہ سوئے اور دیکھو اندر جا کر میرے کپڑے لے آؤ ۔"

ابھی اس کی بات ختم ہوئی تھی کہ حویلی کے صحن سے ملکانی کی چیخ ابھری پھر کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی —— "ہائے میں مر گئی سلطانے پتّر! تیرے کپڑوں پر یہ خون کیسے لگا ۔"

عورتوں کے گانے کی لَے ٹوٹ گئی اور وہ بھی خون خون پکارنے لگیں ۔ دراصل حویلی کے دروازے پر لالٹینوں کی اندھی روشنی میں کسی نے سلطانے کے خون آلود کپڑوں پر دھیان ہی نہیں دیا تھا ۔ سب عورتیں دلہن کے سواگت میں لگی رہیں لیکن جب سلطانا حویلی کے صحن میں پہنچا جہاں گیس کی تیز روشنی پھیلی تھی تو ملکانی نے سلطانے کے کپڑوں پر خون کے دھبّے دیکھ لیے ہوں گے ۔

ملک اللہ جوایا اپنی گھوڑی میرے سپرد کر کے حویلی کی طرف چلا ۔ اس کی چال خلافِ معمول لڑکھڑا رہی تھی اور اس نے ایک ہاتھ سے پسلی کو دبا رکھا تھا ۔ میں سمجھا شاید وہ بہت زیادہ تھک گیا ہے ۔ جونہی وہ حویلی کے اندر پہنچا ملکانی کے ہونٹوں پر دوسری چیخ ابھری ۔ ملک کے کپڑے بھی خون میں بھیگے ہوئے تھے —— ماں جی کی آواز سنائی دی ۔

کر پہنچا تو اس کی حالت دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں بھی ٹھنڈے ہو گئے۔ تم جانتے ہو رنگو! میں اس کے تلوے میں کانٹا چبھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ اس وقت ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح پڑا ہے ——"

سلطانا زار زار رونے لگا —— "رنگو! یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا میری وجہ سے —— اگر چاچے کو کچھ ہو گیا تو رب سائیں کی قسم! میں زندہ نہ رہوں گا۔"

میں نے اُسے تسلی دی کہ مردوں کو لڑائی میں زخم آ ہی جایا کرتے ہیں لیکن سلطانے کی باتیں سُن کر میرا تمام نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ رات اس وقت تیسرے پہر سے گزر رہی تھی اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن حویلی کے اندر ایک کہرام بپا تھا۔ ملکانی اور ماں جی رو رہی تھی۔ غلام رسول نے ملک کو تھام رکھا تھا اور رابعہ سہاگ کا سُرخ جوڑا پہنے بستر پر روئی رکھ رہی تھی۔ ملک کا بستر اور کپڑے خون میں لت پت ہو رہے تھے اور بہت زیادہ خون نکل جانے سے اس پر غشی سی طاری تھی میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ سلطانا چیخ مار کر اس کی چارپائی پر گرا اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ ملک نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا، پہچانا پھر آنکھیں موند لیں۔

جب میں نے زخم دیکھا تو کانپ اُٹھا۔ بائیں پسلی کٹی پڑی تھی اور خون ابھی تک بند نہ ہوا تھا مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا غلام رسول سے کہا وہ لپک کر جائے اور میرے حجرے سے بوتل اُٹھا لائے پھر سلطانے کی مدد سے بے ہوش ملک کو سیدھا کیا اور جب غلام رسول بوتل لے آیا تو میں روئی شراب میں بھگو کر زخم صاف کرنے لگا۔ سلطانے کو میں نے پرے ہٹا دیا تھا کیوں کہ زخم دیکھ کر اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے اور مجھے خطرہ تھا کہیں وہ بے ہوش نہ ہو جائے۔ شراب نے اس وقت سپرٹ کا کام کیا۔ درد و کرب سے ملک کی بے ہوشی ٹوٹ گئی اور تقریباً نصف گھنٹہ کے بعد خون رِستا بھی بند ہو گیا۔ پھر میں نے بھیگی ہوئی روئی زخموں پر رکھ کر پٹی باندھ دی۔ ملک کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور کمزوری کی وجہ سے اس پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ میرے پاس تو اس وقت ایک ہی دوا تھی۔ میں نے تھوڑی سی شراب گلاس میں انڈیلی پانی ملایا اور دوا کہہ کر ملک کو پلا دی

پانی کی گڈوی اور گلاس رکھے تھے ۔ دوسری طرف زردے پلاؤ کی تھالیاں تھیں اور ایک بڑے کوڑے میں بھُنی ہوئی مرغی نظر آرہی تھی ۔ مَیں زیرِ لب مسکرا دیا ۔

" اچھا تو سُلطانے پُتّر کے بیاہ کی خوشی میں ملک اللہ جوایا نے مجھے شغل میلہ کی دعوت دی ہے ۔"

مَیں نے بوتل اُٹھائی کاک اُڑایا اور امرت جل پینے میں مصروف ہوگیا ۔ ملک بھی عجیب آدمی ہے ۔ خود تو دارو سے نفرت کرتا ہے مگر اپنے یاروں کا کتنا خیال رکھتا ہے ۔

●

وہ رات کتنی راحت افزا اور پُرسکون تھی ۔ ہم ایک بڑی کامیابی کے بعد ڈیرے پر آئے تھے اور سیالوں پر ملک اللہ جوایا کی دھاک بیٹھ گئی تھی ۔ وہ سُلطانے کا ڈولا چھیننے آئے تھے ۔ اُلٹا اپنے لاڑے کو چارپائی پر ڈال کر لے گئے ۔ چودھری سکندر سیال بھی مان گیا تھا ۔ اس نے بیٹی کا رشتہ کسی غلط جگہ نہیں کیا ۔ مَیں خوش تھا ، سلطانے کی کامیابی میں میرا بھی کچھ حصّہ تھا اور میٹھے مالٹے کے نشہ کی ترنگ اس خوشی کو دو چند کر رہی تھی ۔

ابھی مَیں نے چوتھا یا پانچواں پیگ خالی کیا تھا کہ رات کے سناٹے میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹ سن کر چونک اٹھا ۔ اسی لمحے حجرے کا دروازہ کھلا اور سلطانا پاگلوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا داخل ہوا ۔ مَیں گھبرا کر کھڑا ہوگیا ۔ اس کا رنگ اُڑا ہوا تھا ۔

" کیا ہوا سُلطانے ! تو اس قدر بدحواس کیوں ہے ؟"

" رنگو ——— ! چاچے کی حالت ٹھیک نہیں ، جلدی چلو ۔"

پھر حویلی کی طرف جاتے ہوئے اس نے بتایا ——— ' چاچے کو برچھی کا گہرا زخم آیا تھا لیکن وہ ہم سے چھپاتا رہا کہ ہم فکرمند نہ ہوں ۔ اس نے چاچی کو بھی کچھ نہیں بتایا اور اندر ہی اندر تکلیف برداشت کرتا رہا ۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے ہلدی اور تیل مانگا ۔ جب چاچی واپس کمرے میں آئی وہ بے ہوش پڑا تھا اور اس کا بستر اور نئے کپڑے خون میں بھیگے ہوئے تھے ۔ چاچی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ مَیں بھاگ

"تو پھر دیر نہ کر۔ تجھے دوپہر سے پہلے پہلے واپس آنا چاہیے۔ بس ہوا کی طرح اُڑتا ہُوا جا ——"

رابعہ حویلی کے دروازے تک اسے چھوڑنے گئی ٹھیک اس وقت ملّاں نے فجر کی بانگ دی۔ ماں جی اور ملکانی نماز پڑھنے چلی گئیں۔ جب رابعہ واپس آئی تو مَیں نے کہا وہ ساری رات پریشان رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سو لے مگر رابعہ نے جواب دیا۔

"رنگو ویرہ —— اسیالوں نے چاچے کو نہیں میرے کلیجے میں برچھی ماری ہے۔ جب تک وہ ٹھیک نہیں ہو جاتا مجھے نیند نہ آئے گی۔"

پھر وہ اپنے کمرے میں مصلّیٰ بچھا کر بیٹھ گئی اور نماز پڑھنے لگی۔ مَیں ملک کے پاس ہی ایک چارپائی پر اُونگھ گیا تھا۔ صبح تک رابعہ نجانے کتنی بار کمرے میں آئی اور کیا کچھ پڑھ کے ملک پر پھُونکتی رہی۔ دِن چڑھے جب ملک کی آنکھ کھُلی وہ اس وقت بھی اس پر کچھ پھُونک رہی تھی۔

ملک اللہ جوایا کا چہرہ پہلے سے زیادہ پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی رنگت میں سُرخی نام کو نہ تھی اور اب پھر کمزوری کی وجہ سے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ میرے کہنے پر رابعہ گرم دودھ کا گلاس لے آئی۔ اسے پریشان اور فکرمند دیکھ کر ملک بولا۔

"پُتری! تُو کیوں فکر کرتی ہے۔ مَیں اچھا ہو جاؤں گا۔"

وہ چُپ چاپ واپس چلی گئی۔ مَیں نے ملک کو بتایا اگر وہ پہلے بتا دیتا اسے گہرا زخم آیا ہے اور خون بند نہیں ہُوا تو اسی وقت کوئی علاج کیا جاتا۔ وہ کہنے لگا۔ "رنگو! مَیں ڈرتا تھا کہیں سُلطانا پُتّر پریشان نہ ہو جائے۔ اس کے سینے میں چِڑی کا دِل ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد اس کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر مَیں نے گلاس میں دو اُنگل میٹھا مالٹا انڈیلا اور پانی مِلا کر اس کی طرف بڑھایا لیکن ملک نے پینے سے انکار کر دیا۔ مَیں نے بتایا دوا کے طور پر شراب جائز ہے پھر رات بھی مَیں اُسے پلا چکا ہوں

جس سے اس کی حالت کچھ سنبھل گئی ۔ چند لمحوں بعد ایک پیگ اور پلایا اور اس پر غنودگی طاری ہونے لگی ۔ بدن گرم ہو گیا تھا اور نبض ٹھیک چل رہی تھی ۔ فوراً ہی اُس کی آنکھ لگ گئی ۔

وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا تھا لیکن ملک کی حالت خطرے سے خالی نہ تھی ۔ خون بکثرت خارج ہو چکا تھا اور کسی وقت بھی دل کی حرکت بند ہو سکتی تھی ۔ ماں جی اور ملکانی کے آنسو بند ہو چکے تھے اور سب کی نگاہیں پوچھ رہی تھیں ۔

" اب کیا ہو گا ؟"

مَیں نے کہا ــــــ " سُلطانے تم چاچے کے پاس رہو مَیں اسی وقت جھنگ جاتا اور حکیم نند لال اروڑا کو اپنے ساتھ لے آتا ہوں ۔ وہ ایک مشہور جرّاح بھی ہے "۔

رابعہ فوراً بول اُٹھی ــــــ " رنگو وِیر ! تم نہ جاؤ ۔ چاچے کی حالت ٹھیک نہیں ۔ سلطانا اور غلام رسول جا کر حکیم جی کو لے آتے ہیں "۔

" رنگو وِیر " ــــــ کے شبد سُن کر مجھ پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی ۔ اس سے پہلے ماں جی نے " پُتّر " کہہ کر میری دُنیا بدل دی تھی اب رابعہ کی زبان سے " رنگو ویر " کے لفظ سُن کر مجھے اپنی وہ بہن یاد آ گئی جو مجھ سے تین سال بڑی اور مجھے " رنگو وِیر " کہا کرتی تھی ۔ مَیں پانچ سال کا تھا جب میری ماتا اور بہن پرلوک سدھار گئیں اور مَیں اپنی بے رحم چاچی کی جھڑکیاں کھانے کے لیے زندہ رہا ۔ بہن مرنے کے بعد آج تک کسی نے مجھے " رنگو وِیر " کہہ کر نہ پکارا تھا ۔ میرا جی چاہا مَیں رابعہ کے پاؤں چھُو لوں ۔ اس کے سامنے ماتھا ٹیک دوں ، مجھے خاموش دیکھ کر وہ بولی ۔

" رنگو وِیر ! تم کیا سوچنے لگے ؟"

ملک اللہ جوایا کے معاملے میں سلطانے کا دِل بہت چھوٹا تھا ۔ مَیں نے سوچا رابعہ ٹھیک کہتی ہے ۔ سلطانے کا یہاں سے ٹل جانا ہی اچھا ہے پھر مَیں سلطانے سے مخاطب ہُوا ۔ " رانی ٹھیک کہتی ہے تُو غلام رسول کے ساتھ جھنگ چلا جا "۔

" اچھا ــــــ " سلطانا جھنگ جانے پر راضی ہو گیا ۔

"نند لال! رابعہ پُتری کو بُلا لو۔"

"ملک جی! عورت کا دِل بڑا نازک ہوتا ہے۔"

"نند لال! تم نہیں جانتے میری پُتری شیر کا جگر رکھتی ہے اس کا میرے پاس رہنا بہت ضروری ہے"۔

ملک کی خواہش پر رابعہ کو بُلا لیا گیا۔ اس نے لیٹے لیٹے بہو کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا۔ "پُتری! تو میرے پاس رہے گی زندگی موت اللہ سائیں کے ہاتھ میں ہے کچھ بھی ہو گھبرانا نہیں ——"

"اچھا" کہہ کر رابعہ دیوی نے سَر جُھکا دیا پھر حکیم نند لال اور وڈرا نے اپنا کام شروع کر دیا ملک کو کلوروفارم سُنگھا کر بے ہوش کر دیا گیا اور نند لال کی پتلی پتلی اُنگلیاں بجلی کے تاروں کی طرح دوڑنے لگیں۔ اس نے کمر کے نیچے نیلے پیلے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ کر بالٹی میں پھینک دیا اور میں کانپ گیا۔ گوشت کٹنے سے انتڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ خون پھر جاری ہو گیا تھا۔ میں سپرٹ میں بھیگی ہوئی روئی کے پھاہے سے خون صاف کر دیتا۔ رابعہ اسے کوئی اَوزار یا ضرورت کی دوا پکڑا دیتی۔ پندرہ منٹ کے بعد اس نے آپریشن ختم کیا اور ٹانکے لگانا شروع کر دیئے اس کام سے فارغ ہو کر وہ ملک کو کوئی دوا سُنگھانے میں مصروف ہو گیا لیکن دو تین منٹ گزرنے کے باوجود اس کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ نند لال بار بار نبض ٹٹولتا اور دل کی حرکت دیکھتا تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ ملک کا جسم لاش کی طرح بے حِس پڑا تھا۔ ایک بار تو نند لال کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ گئیں۔ اس نے بیگ کر بکس سے بوتل نکالی اور فولاد کی نلکی کے ذریعہ دَوا کے چند قطرے حلق میں داخل کیے جو ہونٹوں کے کناروں سے باہر نکل گئے۔ اب نند لال کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے ایک ڈبیا سے زرد رنگ کی لیس دار دَوا نکالی اور بے ہوش ملک کے نتھنوں پر ملنے لگا لیکن اس کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ نند لال کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر میں سمجھ گیا ملک اللہ جوایا ہم سے رخصت ہو رہا ہے کیوں کہ ہاتھوں

وہ بولا —— " اُس وقت مجھے ہوش نہیں تھا لیکن اب ہوش میں ہوں۔ اللہ سائیں نے چاہا تو شراب کے بغیر ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

دوپہر سے پہلے ہی سلطانا اور غلام رسول حکیم نند لال ارو ڑہ کو لے کر آ گئے۔ ڈیرے پر ملک کے زخمی ہونے کی خبر پھیل چکی تھی اور حویلی میں صبح ہی سے عورتوں مردوں کا تانتا بندھا ہُوا تھا اس وقت بھی پانچ سات آدمی کمرے میں بیٹھے تھے۔ نند لال کو دیکھ کر ملک کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلک پیدا ہوئی لیکن جب نند لال نے زخم دیکھا اور ملک کے چہرے پر نظر ڈالی تو گھبرا گیا۔ اس نے مجھے الگ بُلایا اور کہنے لگا " زخم خطرناک ہے پھر خون بہت نکل چکا ہے۔ ملک کو ہسپتال لے چلو خون چڑھانے کے بعد آپریشن ہو گا۔"

میں نے بتایا ہسپتال جاتے جاتے زخم پھر پھٹ جائیں گے اور رہا سہا خون بھی نکل جائے گا جو کچھ کرنا ہے یہیں کرو مگر نند لال خون چڑھائے بغیر آپریشن کے حق میں نہیں تھا۔ اس کی جرّاحی کا بڑا چرچا تھا اور بعض اوقات ڈاکٹر بھی اس سے مشورہ لیتے تھے۔ لیکن وہ ملک کا علاج کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔" رنگو! ملک کی حالت ٹھیک نہیں اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں ساری عمر کسی کو مُنہ نہ دکھا سکوں گا جیسے بھی ہو اسے شہر لے چلو۔"

ملک اللہ جوایا نے بھی بھانپ لیا نند لال آپریشن پر تیار نہیں اور اسے شہر لے جانے کا مشورہ دے رہا ہے۔ اس نے حکیم کو اپنے پاس بٹھایا پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولا —— " نند لال —— ! ہسپتال بھیج کر میرا مُردہ خراب نہ کرو۔ یہیں علاج کرو میں شہر نہیں جاؤں گا۔ کیا تمہیں اللہ سائیں پر بھروسا نہیں؟"

ملک کے اصرار پر نند لال علاج کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے پلنگ بچھوایا' سب لوگوں کو کمرے سے نکال دیا صرف میں اس کے پاس رہ گیا۔ جب ملک پلنگ پر منتقل کر دیا گیا تو اس نے دروازہ بند کیا بکس کھولا اوزار نکالے اور میرے کان میں بولا۔ " اپریشن خطرناک ہے واہگورو سے پرارتھنا کرو وہ میری یاری کی لاج رکھ لے۔"

اسی لمحے ملک نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور مدھم آواز میں بولا۔

کی ٹھنڈی پیشانی پر رکھ دیے۔ کیا وہ سمجھ چکی ہے اس کا شفیق چاچا اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہے ؛

رابعہ مسلسل جھکی رہی اور اس کے ہونٹ ملک اللہ جوایا کے سرد ماتھے پر گویا پیوست ہو کر رہ گئے۔ میں ڈر رہا تھا کہیں صدمے سے اس لڑکی کا دل بند نہ ہو جائے جس نے ابھی اپنے دل کی کامنا بھی پوری نہیں کی ——— ہاں یہ اس کی سہاگ رات تھی اور اسی رات ملک اللہ جوایا کی حویلی پر موت کی بجلیاں ٹوٹنے والی تھیں۔ میرے جی میں آئی آگے بڑھ کر رابعہ کو سہارا دوں کہیں وہ اسی حالت میں گر نہ پڑے لیکن اچانک ملک کے بے جان جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور ہم دونوں حیران و ساکت رہ گئے اس جنبش کے ساتھ ہی رابعہ ملک کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی اور اس کا بایاں ہاتھ سہلانے لگی۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی سنجیدگی اور شکتی تھی کہ میں ڈر گیا۔ حکیم نند لال بھی بڑے غور سے اس کی حرکات کو دیکھ رہا تھا۔

دوسرے لمحے ملک کے جسم میں پھر ایک لہر سی تھرتھرائی۔ رابعہ گم صم اور ہمارے وجود سے بے خبر اس کا ہاتھ سہلائے جا رہی تھی ایک منٹ کے بعد ملک کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے پھر اس کی پلکیں کانپنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے ہولے ہولے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ساتھ ہی رابعہ کے چہرے پر چاندنی سی بکھر گئی۔ واہگورو کی قسم ! اس کی وہ عجیب مسکراہٹ آج بھی میرے دل پر نقش ہے۔ ملک خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم تیر گیا۔

رابعہ ایک بار پھر اس کے چہرے پر جھک گئی اور اس نے ملک کی پیشانی پر بوسہ دیا لیکن اس مرتبہ اس کی پلکوں سے دو موٹے موٹے آنسو ٹوٹ کر ملک کے گالوں پر پھیل گئے۔ ملک نے ان آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے ہاتھ نہیں ہلایا۔ رابعہ فوراً بولی۔

”چاچا ——— ! یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ اللہ سائیں نے تمہیں زندگی بخش دی ہے نہیں تو میں مر جاتی ———“

”او پُتری ——— !“ ملک کے ہونٹ تھرتھرائے۔

اور پنڈلیوں کی نبضیں ساکت ہو چکی تھیں ۔ نند لال اب ٹوٹیاں کانوں کو لگا کر اس کے دل کی حرکت سن رہا تھا جو ہولے ہولے ڈوب رہی تھی ۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آلہ اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور میرا کندھا تھام لیا ۔

" بھگوان کی یہی مرضی تھی "

اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے ۔ میرے دل پر آری سی چل گئی اور میں بھی اپنے آنسو روک نہ سکا ۔ ملک اللہ جوایا کی زندگی کا چراغ ہماری آنکھوں کے سامنے بجھ رہا تھا اور ہم کچھ نہ کر سکتے تھے حکیم نند لال نے میرے کندھے کا سہارا لے کر آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ اپنے جگری یار کی روانگی کا سماں نہ دیکھنا چاہتا ہو ۔

مجھے اب رہ رہ کر نند لال کا مشورہ یاد آ رہا تھا ۔ وہ جانتا تھا اس حالت میں آپریشن خطرے سے خالی نہیں ، کاش ——— ہم نے اس کی بات مان لی ہوتی ۔ ملک کے بے جان لاشے کو دیکھ کر میں نے التجا کی " حکیم جی ! بھگوان کے لیے کچھ کرو "

" میری طاقت جواب دے گئی ہے زنگو ! وہ اب چند گھڑیوں کا مہمان ہے "

جی چاہا میں ملک اللہ جوایا سے لپٹ کر رو دوں ۔ وہ بہت اونچا انسان تھا ——— نہیں ایک دیوتا تھا اور دیوتا کی جان بچانے کی خاطر کئی زندگیاں قربان کی جا سکتی تھیں لیکن حکیم نند لال کی طاقت جواب دے گئی اور ملک اللہ جوایا کے جیون کی لَو ہولے ہولے بجھ رہی تھی ۔ اس جان کنی کے عالم میں میں نے رابعہ کی طرف دیکھا ۔ وہ بڑے صبر و سکون سے اُس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑی تھی ۔ اضطراری حالت میں اس نے ملک کا ٹھنڈا اور بے جان ہاتھ تھام لیا اور اسے سہلانے لگی ۔ اس کے سکون و اطمینان کو دیکھ کر میرا دل کٹا جا رہا تھا ۔ وہ نہیں جانتی تھی ، چند گھڑیوں کے بعد ملک اللہ جوایا کی موت کی وحشت ناک خبر سن کر اُس پر کیا بیت جائے گی اور میرا یا سلطانا ——— اس کا کیا ہو گا وہ تو شاید زندہ نہ رہ سکے ۔

میں نے جھرجھری لے کر رابعہ کے چہرہ سے نظریں ہٹا لیں لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ ملک کے بے جان لاشے پر جھک گئی پھر اس نے اپنے سُرخ ہونٹ اس

جانتا ہے ۔ مَیں تیری زندگی سے مایوس ہو چکا تھا ۔ مَیں نے نہیں بہو رانی نے تجھے بچایا ہے ۔"

سننے والے حیران و ششدر رہ گئے ۔ سُلطانا بھی حیرت پاش نظروں سے حکیم نند لال کو دیکھ رہا تھا ۔ مَیں نے ابھی تک اسے ملک کی معجزانہ زندگی کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا ۔ نند لال بولا ۔

"زخم بے حد خطرناک تھا اور اس میں زہر بھر گیا تھا ۔ اگر آپریشن میں دیر ہو جاتی تو خطرہ تھا زہر خون میں پھیل جائے گا ۔ اسی لیے خون کی کمی کے باوجود مَیں نے آپریشن کا خطرہ مول لیا مگر جب مَیں آپریشن کر چکا اور تجھے ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگا ۔ اس وقت نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آتما شریر چھوڑ کے رخصت ہو رہی تھی میں نے اپنا ہر حربہ آزما لیا مگر کامیاب نہ ہو سکا ۔ تیرے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی ۔ رنگو اور مَیں رونے لگے کیوں کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت تیری موت کو ٹال نہ سکتی تھی لیکن بہو رانی تیرا ٹھنڈا اور بے جان ہاتھ تھامے موت سے لڑ رہی تھی ۔ آخر اس کی شکتی تیری آتما کو روکنے میں کامیاب ہوئی ۔ اگر اس روز بہو رانی کمرے میں موجود نہ ہوتی تو آج ہم یہاں اس طرح نہ بیٹھے ہوتے ——"

ملک اللہ جوایا کی آنکھوں میں روشنی یوں چمکی جیسے کوئی ستارہ چمکتا ہے پھر وہ مسکراتے ہوئے بولا ——

"نند لال —— ! جب تو آپریشن کے لیے کمرہ بند کر چکا تھا اس وقت میرے دِل سے آواز آئی تھی مَیں اپنی پتنی کو پاس بلاؤں اور سچ مچ میرے دِل کی بات سچی نکلی ۔ رابعہ پتنی میری زندگی ہے ۔ مَیں نے قول دیا تھا اسے بیاہ کر لاؤں گا اور اپنے گھر کی رانی بناؤں گا ۔ اللہ سائیں کا شکر ہے ۔ مَیں نے جان کی بازی لگا کر اپنا قول پورا کر دیا ——"

پھر ملک سلطانے سے مخاطب ہوا ۔

"سُلطانے ! میری پُتری دَورا تو دیکھ نہیں سوئی ذرا دیکھ تو سہی وہ کیا کر رہی

ہم سحر زدہ انسانوں کی طرح یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ اچانک حکیم نند لال لپک کر آگے بڑھا اس نے ملک کی نبض دیکھی پھر دل کی حرکت کا جائزہ لیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"رنگو ! بھگوان کی لیلا نیاری ہے"۔

مَیں نے محسوس کیا خوشی کی شدت سے حکیم نند لال کی آواز کانپ رہی تھی۔ ملک اللہ جوایا کسی غیبی طاقت سے پھر جی اُٹھا تھا اور مَیں آج بھی یہی کہتا ہوں وہ غیبی طاقت رابعہ کی شکتی تھی جس نے ایک مُردے میں جان ڈال دی۔ مجھے اب معلوم ہوا ملک اللہ جوایا رابعہ کے رُوپ میں ایک دیوی کو بیاہ کر لایا ہے اور جب آپریشن سے پہلے حکیم نند لال نے کمرے کے دروازے بند کر لیے تھے تو ملک نے خاص طور سے رابعہ کو اپنے پاس کیوں بلایا تھا۔

نند لال خوش تھا بھگوان نے اس کی یاری کی لاج رکھ لی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد ملک کو ایک دَوا پلا کر اس نے بتایا۔

"آپریشن کامیاب رہا ہے"۔

پھر یہ خبر پوری حویلی میں گردش کرنے لگی۔ ڈیرے پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ سُلطانا بھاگا ہُوا حویلی میں آیا اور چاچے کے قدموں میں گر پڑا۔ ملکانی نے گُڑ اور بتاشے تقسیم کیے۔ ماں جی کے چہرے پر خوشیاں ناچ اُٹھیں اور رابعہ دیوی ملک کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں گئی اور مُصلّے پر جا کر سجدے میں گر گئی۔

ملک اللہ جوایا اور حکیم نند لال پُرانے یار تھے۔ پُرانے لوگ اپنی یاری کا کس طرح پالن کرتے ہیں اس کا پتہ مجھے نند لال کے سلوک سے چلا۔ ملک کی دیکھ بھال اور دَوا دارو کے لیے وہ دو دن حویلی میں رہا۔ تیسری رات جب عورتیں مرد ملک اللہ جوایا کے آس پاس بیٹھے تھے اور اس کی حالت بہت سنبھل چکی تھی حکیم نند لال کہنے لگا۔

"اللہ جوایا ———— ! تُو بڑے کرماں والا ہے تجھے ایسی بہو ملی ہے جو سچ مچ دیوی ہے۔ تو سمجھتا ہوگا شاید میرے علاج نے تجھے بچا لیا ہے مگر بھگوان

" رنگو پُتر! خرچ سے نہ ڈرنا - جمال ٹھیک ہو جانا چاہئے - وہ اپنی ماں کا ایک ہی پُتر ہے -"

جب میں جھنگ پہنچا، چودھری جمال ہسپتال میں داخل ہو چکا تھا اور اس کی ماں پاگلوں کی طرح روتی پھرتی تھی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا وہ اچھا نہیں ہو سکتا لیکن آپ جانتے ہیں روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے - جمال اپنا سب کچھ گنوا چکا تھا - اور چاچے نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا - کیوں کہ اس نے باپ کی چھوڑی ہوئی زمین بیچ کر دولت لاہور میں اُجاڑ دی اور سیال برادری میں اُسے ذلیل کرایا تھا - اب وہ جمال کی کوئی مدد کرنے پر تیار نہ تھا - میں حکیم نند لال کے ذریعے بڑے ڈاکٹروں سے ملا - جمال کے علاج کا خرچہ ادا کیا - چودھری جمال کی ٹانگ تو ٹھیک نہ ہو سکی لیکن اس کی زندگی ضرور بچ گئی - آج کل وہ بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہے - اور اس کی ماں ملک اللہ جوایا کو ہزاروں دُعائیں دیتی ہے ——"

یہ کہہ کر رنگو مہتم نے ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگا -

" چودھری جی —— ! یہ ہے لاڈو کی کہانی —— —— رابعہ اور سلطانے کے بیاہ کے بعد میں کئی مہینے ملک اللہ جوایا کے پاس رہا - اِن لوگوں میں جو پیار میں نے دیکھا مجھے کہیں نظر نہیں آیا - ملک اور سلطانے کی دوستی نے مجھے انسان بنا دیا ہے - —— اور لاڈو رانی —— وہ تو سچ مچ ایک دیوی ہے - جب کبھی مجھے " رنگو وِیرہ " کہہ کر یاد کرتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے میری سگی بہن ہو -

شاید آپ یہ بھی پوچھنا چاہیں - سنت بلد یو گرہی کا کیا ہوا ؛

مجھے افسوس ہے میں گورو دیو کی کوئی مدد نہ کر سکا - سچی بات تو یہ ہے اس نے خود ہی میری مدد لینے سے انکار کر دیا تھا - جن دِنوں پولیس نے اسے لاہور میں گرفتار کر لیا اس کی گرفتاری پر بہت شور اُٹھا تھا - میں ملک اللہ جوایا سے اجازت لے کر لاہور آیا اور ایک آدمی کے ذریعے حوالات میں پیغام بھیجا - اگر وہ چاہتا ہے تو میں آسے پولیس کے ہاتھوں سے چھڑا کر لے جاؤں گا لیکن بلد یو گرہی نے جواب دیا —— " رنگو !

ہے۔ کہیں وہ میری تیمار داری کرتے کرتے خود بیمار نہ ہو جائے۔"

اسی لمحے ملکانی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے بتایا۔" ابھی ابھی رابعہ کی آنکھ لگی ہے۔ میں اسے سلا کر آ رہی ہوں۔"

ملک نے حکم دیا۔

"اب کوئی کمرے میں نہ جائے۔ اسے آرام کرنے دو۔"

دوسرے روز دن چڑھے غلام رسول نے گھوڑی تیار کی۔ وہ حکیم نندلال کو جھنگ چھوڑنے جا رہا تھا۔

نندلال ملک اللہ جوایا سے رخصت لے رہا تھا کہ اُس وقت لاڈو رانی سلطانہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ پیچھے پیچھے ملکانی تھی۔ رابعہ کے ہاتھوں میں ایک خوب صورت جوڑا تھا اور ململ کی پگڑی پر سو روپے کا ایک نوٹ رکھا تھا۔ اس نے جوڑا اور نوٹ حکیم نندلال کی طرف بڑھایا۔ ملک اللہ جوایا بولا۔

"نندلال! یہ میری پُتری کے بیاہ کا شگن ہے۔"

نندلال نے عجیب سی نظروں سے ملک اللہ جوایا کی طرف دیکھا اور کہا۔" اللہ جوایا تُو جانتا ہے ہم بیٹی کو دیا کرتے ہیں اس کے گھر سے کچھ لیا نہیں کرتے مگر بھورانی کے پوتّر ہاتھوں سے یہ جوڑا میں ضرور قبول کروں گا۔۔۔۔۔۔"

یہ کہہ کر نندلال نے نوٹ واپس کر دیا اور جوڑا رکھ لیا۔ ملک اللہ جوایا کو افسوس تھا وہ اپنی بیماری کی وجہ سے چودھری جمال کی خبر لینے نہیں جا سکا۔ اس نے نندلال کو تاکید کی، وہ جھنگ جاتے ہی جمال سے ملے۔ فوراً ملک کو کوئی خیال آیا مجھ سے کہنے لگا۔

"رنگو! تو کیوں نہیں جھنگ چلا جاتا۔ میں نے وعدہ کیا تھا چودھری جمال کا علاج خود کراؤں گا۔"

پھر میں بھی حکیم نندلال کے ساتھ ہی روانہ ہوا۔ روانگی سے پہلے ملک نے ایک ہزار روپے میری جیب میں ڈال دیے اور کہا۔
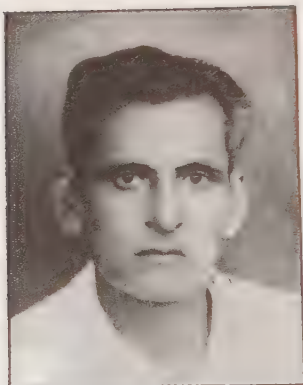
میں "لاڈو" کو اپنے عزیز دوست اے آر ملک
(عبدالرحمٰن ملک) ریٹائرڈ فائر سپرنٹنڈنٹ سول
ایوی ایشن کے نام معنون کرتا ہوں۔ جو ناول نویسی
میں واقعات کی صحت کو کامیابی کی ضمانت
سمجھتے ہیں۔

محمد اجنالوی

مجھے اپنے کرموں کا پھل بھگتنے دو۔"

چودھری جی! بلدیو گری بھی عجیب آدمی ہے۔ اس نے سیتلا مندر کو اندر کا اکھاڑہ بنا دیا تھا لیکن میں جانتا ہوں وہ دِل کا بُرا نہیں۔ واپس جاکر جب میں نے ملک اللہ جوایا کو بتایا آج کل گورو دیو پر مقدمہ چل رہا ہے اور اس نے بھاگنے سے انکار کر دیا ہے تو ملک نے کہا ———

"اگر وہ اسی طرح خوش ہے تو ٹھیک ہے۔"

رنگو مہتم بڑے اُداس لہجے میں بولا۔

"سکّی" دیس میں آئے مجھے ایک مہینہ ہو چلا ہے۔ میں اپنے پرانے یاروں کو ملنے آیا تھا لیکن سُلطانے اور ملک اللہ جوایا کے بغیر میرا دِل نہیں لگتا۔ میں کل واپس چلا جاؤں گا۔ آپ نے مجھ سے لاڈو کی قیمت پوچھی تھی، اب آپ ہی بتائیے! کوئی اس کی قیمت دے سکتا ہے؟ ملک اللہ جوایا اسے اپنی اولاد کی طرح پیار کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے اس نے لاڈو مجھے بخش دی ہے لیکن میں بھی تو اب ملک اللہ جوایا کا پُتّر ہوں ———"

یہ کہہ کر رنگو مہتم خاموش ہو گیا اور کھلی ہوئی کھڑکی سے لاڈو کو دیکھنے لگا جو تھان پر بندھی چارہ کھا رہی تھی۔

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37668958
042-37652546
ISBN